وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے

جلد 8	شمارہ 11	محرم الحرام 1436ھ	نومبر 2014ء

خصوصی اشاعت جنوبی ایشیا میں ہند و مسلم نظریاتی کشاکش.....

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: جواد عمر

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	3
بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات	6
حرفِ آرزُو	7
باب 1 .....تمہید طولانی	15
باب 2 .....افکارِ معاصرین	25
باب 3 آسمانی ہدایت کی روشنی میں.....	67
باب 4 ہندو نظریات کی آئینہ دار.....	77
باب 5 ہند و سندھ آٹھویں صدی تک	89
باب 6 ہند 711ء تا 1761ء، ہندو مسلم.....	109
باب 7 جنوبی ایشیا میں انگریز ہندو اور مسلمان	127
باب 8 آزادی کی تحریک میں ہندو مسلم کا کردار	131
باب 9 .....ہندو، مسلمان اور برطانیہ،.....	141
باب 10 پاک بھارت، موجودہ ہندو مسلم کشاکش.....	159

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

1

وَ مِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ

اور آپ ﷺ (عبادت کے لیے) جب اور جہاں بھی نکلو

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اپنا چہرہ مسجد حرام (مکہ) کی طرف کرلو

وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ

اور مسلمانو! تم جہاں اور جس وقت ہو اسی کی طرف اپنے چہرے کرلیا کرو

لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْكُمْ حُجَّةٌ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ

تاکہ لوگ (یہود و ہنود) تم کو کوئی الزام نہ دے سکیں سوائے ان کے کہ جو

بے انصاف (کم علم اور حقیقت کو بھلانے والے) ہیں

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِیْ

سو ان سے مت ڈرو اور مجھی سے ڈرتے رہو

وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ

اور یہ بھی مقصود ہے کہ میں تمہیں اپنی تمام نعمتیں بخشوں

اور یہ بھی کہ تمہیں راہِ راست پر (قائم) رہو

2

لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَاۤ رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا

وَ اَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡمِیۡزَانَ

اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل)

لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ

تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں

وَ اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ فِیۡهِ بَاۡسٌ شَدِیۡدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ

اور لوہا پیدا کیا اس میں (اسلحہ جنگ کے لحاظ سے) طاقت بھی شدید ہے

اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں

وَ لِیَعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ یَّنۡصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالۡغَیۡبِ

اور تاکہ اللہ ظاہر کردے کہ کون کون بن دیکھے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے پیغمبروں کی

(لوہے کی طاقت کے ساتھ) مدد کرتے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ○

(حالانکہ) بے شک اللہ قوی (اور) غالب ہے

3

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا وَّ اِبۡرٰهِيۡمَ

اور ہم نے نوح (علیہ السلام) اور ابراہیم (علیہ السلام) کو

(پیغمبر بنا کر) بھیجا

وَ جَعَلۡنَا فِىۡ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الۡكِتٰبَ

اور انہی کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب کو (مختص) کر دیا

فَمِنۡهُمۡ مُّهۡتَدٍ

تو (اب حال یہ ہے کہ)

بعض تو ان میں سے ہدایت پر ہیں

وَ كَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ O

اور ان میں سے اکثر (ہماری) اطاعت سے

روگردانی کر رہے ہیں

صَدَقَ اللّٰهُ الۡعَظِيۡم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

عِصَابَتَانِ مِنْ اُمَّتِیْ اَحْرَزَهُمَا اللّٰهُ مِنَ النَّارِ
عِصَابَةٌ تَغْزُو الْهِنْدَ وَ عِصَابَةٌ تَكُوْنُ مَعَ
عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ علیہ السلام

''میری امت میں دو گروہ ایسے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ آگ سے بچالے گا۔ ایک گروہ جو ہندوستان سے جہاد کرے گا اور دوسرا گروہ جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا ساتھ دے گا۔''

(سنن النسائی عن ثوبان رضی اللہ عنہ، کتاب الجهاد، باب غزوة الهند)

یَخْرُجُ نَاسٌ مِنَ الْمَشْرِقِ فَیُوَطِّئُوْنَ
لِلْمَهْدِیِّ یَعْنِیْ سُلْطَانَهٗ

''مشرق سے لوگ نکلیں گے جو (حضرت) مہدی کی مدد یعنی ان کی حکومت کے تمکّن کے لیے زمین کو روندتے ہوئے بڑھتے جائیں گے۔''

(عن عبداللّٰه بن الحارث رضی اللہ عنہ، رواه ابن ماجة)

حرفِ آرزو

انجینئر مختار فاروقی

1۔ انسان مل جل کر رہنے والا 'فرد' ہے اور کوئی بھی اجتماعیت 'افراد' ہی کا مجموعہ ہوتی ہے۔ معلوم تاریخِ انسانی کا تجربہ یہی بتاتا ہے کہ 'فرد' اور اجتماعیت لازم وملزوم ہیں۔ 'فرد' کا تصور اجتماعیت کے بغیر ناممکن ہے تو اجتماعیت کا تصور 'افراد' کے بغیر نا قابل فہم ہے۔

2۔ 'فرد' کے لیے انگریزی میں 'INDIVIDUAL' کا لفظ آتا ہے جو نا قابل مزید تقسیم یعنی 'UNDIVIDEABLE' کا ہم معنی ہے۔ یعنی ملک چین ہو یا آج کا بھارت جہاں کی آبادی 1000 ملین افراد سے زیادہ ہے یہ ملک اور معاشرہ بھی تقسیم کرتے کرتے بالآخر 'افراد' انسانی پر ہی آ ٹھہرتا ہے اور دنیا کے چھوٹے ممالک جیسے انڈورا (ENDORRA) ہے (جو یورپ کا سب سے چھوٹا ملک ہے جس کا رقبہ صرف 180 مربع میل اور آبادی صرف 0.085 ملین افراد ہے) اس معاشرہ کی اکائی بھی 'فرد' یعنی ایک انسان ہے۔

3۔ 'فرد' انسانی اللہ تعالیٰ کی شاہکار تخلیق ہے اور انسانی نفسیات، افکار، نظریات، میلانات، محبت ونفرت، ضروریات اور جبلی خواہشات وغیرہ کا انسانی رویوں اور عمل و ردّعمل میں بڑا بنیادی کردار (ROLE) ہے ہر 'قوم' یا اجتماعیت افراد ہی سے بنتی ہے اور 'افراد' ہی کی طرح اس اجتماعیت کی بھی نفسیات، افکار، نظریات، محبت ونفرت، جنگ وصلح وغیرہ کے سانچے ہوتے ہیں۔ نیز 'انفرادی ضمیر' کی طرح 'اجتماعی ضمیر' اور انفرادی نصب العین، خواہشات

اور ردّعمل کی طرح اجتماعی نصب العین، خواہشات اور ردّعمل کی بھی ایک مکمل DYNAMICS یا MECHANICS ہوتی ہے۔

4۔ اجتماعیت کے تقاضے افراد کے انفرادی تقاضوں اور میلانات کا ہی ایک مجموعہ ہوتے ہیں۔ اجتماعیت اپنے سارے معاملات میں ایک 'جسد واحد' کی طرح عمل کرتی ہے یا ردّعمل کا اظہار کرتی ہے اور یہ ردّعمل افراد کے افکار و نظریات ہی کا ایک عکس ہوتا ہے۔

؎ افراد کے ہاتھوں میں اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے 'ملت' کے مقدر کا ستارہ

5۔ 'ہندو' بحیثیت ایک اجتماعیت اور 'قوم' ـــــ اُن افکار و نظریات کا مجموعہ اور ترجمان بھی ہے جو گزشتہ چھ ہزار سال سے (کم از کم) جنوبی ایشیا اور اس کے زیر اثر مشرقِ بعید (FAR EAST) کے قدیم باشندوں کو وراثت میں ملے تھے یا ان افراد نے خود اپنا لیے تھے۔

جنوبی ایشیا کے قدیم باشندے

1۔ اس تحریر میں لفظ 'ہندو' جنوبی ایشیا میں بسنے والے قدیم لوگوں کیلئے استعمال کیا گیا ہے تاہم یہ بات آج بھی واضح نہیں ہے کہ 'ہندو' لفظ سے صحیح مراد کون سے لوگ ہیں اور اسی لفظ کی نسبت سے جب ہندوازم یا ہندومت یا ہندو مذہب بولا جاتا ہے تو لفظ ہندو کی طرح اس اصطلاح کی بھی کوئی معیّن تعریف سامنے نہیں آتی اور نہ ہی خود ہندو مؤرّخین آج تک اس پر متفق ہو سکے ہیں۔

2۔ اس تحریر اور خصوصی اشاعت کا اصلاً مقصد چونکہ 'ہندو' یا 'ہندوازم' کی تحقیق و جستجو نہیں بلکہ صرف جنوبی ایشیا کے قدیم باشندے اور ان کے مذہبی رویّے ہیں جو مجموعی طور پر سامنے ہیں ان کو بطور اصل موضوعہ تسلیم کرتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کی جنوبی ایشیا میں آمد، پھیلاؤ اور بالآخر ایک علیحدہ تشخص کے ساتھ سات آٹھ صدیوں تک حکومت کرنے کے رویّوں اور عمل و ردّعمل کا جائزہ لینا ہے کہ اس کی بنیادیں کیا ہیں؟ کہیں ہندو کو مسلمانوں کو سمجھنے میں خطا ہوگئی یا مسلمانوں کو مقامی لوگوں کی سوچ کو معیّن کرنے میں غلطی ہوگئی کہ صدیوں اکٹھے رہنے کے باوجود وہ غیر ملکی استعمار کی آمد پر آپس میں دست و گریباں رہے۔ پھر اس اختلاف نے ایک معیّن 'دوقومی نظریہ' کا روپ دھار لیا اور بالآخر انگریز نے مسلمان حکمرانوں سے چھینا ہوا جنوبی ایشیا تقسیم

کر کے موجودہ بھارت اور پاکستان کے ملک بنا دیے۔

3۔ صرف یہی نہیں بلکہ 1947ء کے تقسیم ہند کے بعد بھی یہ دونوں پڑوسی ممالک اور خود بھارت کے اندر ہندو اکثریت اپنے ہی ملک کی مسلمان اقلیت (جس نے تقسیم ہند کے موقع پر ہندو کانگریس کے پلڑے میں اپنا وزن ڈالا اور ہندو اکثریت کے حقیقی علاقوں سے کہیں بڑا بھارت ان کو دلوا دیا) کو ختم کرنے یا ہندو بنانے کے درپے ہیں۔ بالآخر وجہ کیا ہے؟

4۔ کیا بھارت UNO کا ممبر نہیں ہے کہ جس کے چارٹر کے مطابق ہر شخص کو مذہب کی آزادی ہے۔ کیا بھارت سیکولر اور جمہوری ملک کا دعویدار نہیں؟ پھر مسلمانوں پر مظالم کیوں؟ مسلم اقلیت کو ان کے حقوق نہ دینے کی وجہ کیا ہے؟ جبکہ یہی اقلیت 15/اگست 1947ء تک ان کی محسن تھی۔ مسلمانوں کی نسل کشی کی کوئی معقول وجہ سوائے پہلے سے طے شدہ کسی منصوبہ اور ہندو کے اجتماعی 'نصب العین' سے متصادم ہونے کے علاوہ اور کوئی وجہ سمجھ سے بالاتر ہے۔

5۔ تقسیم ہند کے وقت حیدرآباد پر قبضہ، جونا گڑھ پر قبضہ، کشمیر کا قضیہ ایک بڑے اور اچھے پڑوسی کی حیثیت سے بھارت کہیں بہتر انداز میں نمٹا سکتا تھا مگر چھ دہائیوں کے بعد بھی 'ہندو' کا غصہ اور نامعلوم ناراضگی برقرار ہے۔

6۔ اوپر درج مختصر اشارے اور اس طرح کی دیگر وجوہات ہیں جن کی قدرے تفصیل کے لیے حکمت بالغہ نے اس خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا ہے تاکہ جنوبی ایشیا کے ہندو مسلم قضیئے کے پس منظر کو سامنے لایا جا سکے اور کوئی ممکنہ شکل اصلاحِ احوال کی نکالی جا سکے تو ــــــ اس کے اثرات نہ صرف جنوبی ایشیا کے 150 کروڑ انسانوں پر پڑیں گے بلکہ مشرق بعید کے لوگ بھی اس 'صلح' اور 'امن دوستی' کی ٹھنڈی ہواؤں سے مستفید ہوں گے۔

7۔ ہمارے نزدیک اس اشاعت میں زیر بحث امور کے لیے ہندوازم یا ہندومت (اپنی تمام تفاصیل کے باوصف) صرف دو گروہوں میں منقسم ہے۔ جیسے آج کی دنیا میں یہود کے امور کو زیر بحث لاتے ہوئے اہل علم جب تمام یہود کو ایک ہی اصول سے زیر تنقید نہیں لا سکتے تو انہوں نے حسب حال (اور حقیقت بھی یہی ہے) یہود کو بھی دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ بات کرنے اور تنقید کرنے میں آسانی ہو کہ گفتگو کا ہدف ایک معین گروہ ہے۔ یہ دو گروہ یہود کے ضمن میں یہ ہیں:

(I) قدامت پرست یہود (ORTHODOX JEWS)

(II) روشن خیال یا لبرل یہود (LIBRAL JEWS)

قدامت پرست یہود کو FUNDAMENTALISTS بھی کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنے اصولوں پر عمل پیرا ہیں اور قدیم یہودی روایات کے تابع زندگی گزارنے کے قائل ہیں جبکہ لبرل یہودی بے عمل ہیں اور ہر قسم کی بے راہ روی کا شکار ہو کر بھی یہودی کہلاتے ہیں، آزاد خیال یا روشن خیال لوگ شمار ہوتے ہیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک قابل ذکر طبقہ صلح جو یہود (MODERATE JEWS) پر بھی مشتمل ہے جو دونوں انتہا پسند گروہوں کے درمیان رابطہ یا پل کا کام دیتا ہے۔

اسی طرز استدلال سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہم نے آئندہ صفحات میں قدامت پرست ہندو اور لبرل یا روشن خیال ہندو کی تقسیم کر دی ہے تاکہ گفتگو میں آسانی رہے اور خلط مبحث نہ ہونے پائے۔

8۔ جیسا کہ قارئین کو آئندہ صفحات میں تفصیلات سے آگاہی ہوگی خصوصی اشاعت میں ہماری گفتگو قدامت پرست اور ORTHODOX HINDUS سے کم اور روشن خیال ہندو (LIBRAL HINDUS) سے زیادہ ہے۔

9۔ عالمی سیاست، تجارت، باہمی تعلقات اور جنگی اہمیت کے لحاظ سے جنوبی ایشیا کی بہت زیادہ اہمیت مسلم ہے۔ مشرقِ وسطی اور مغربی دنیا سے مشرق کی طرف سفر کرتے ہوئے ہند اور بحر ہند کے ساتھ اس خطے کے علاقائی امن اور جنگ کا عالمی سطح پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ پھر عالمی طاقتوں میں سے جاپان اور چین اسی طرف یعنی مشرق بعید میں واقع ہیں اور اس کے تمام اہم سمندری راستے جنوبی ایشیا ہی سے گزرتے ہیں۔

چین عصر حاضر میں ایک اقتصادی 'دیو' بن کر اُبھرا ہے اور مغربی دنیا کی اقتصادیات کو درہم برہم کر کے اپنا مقام پیدا کر لیا ہے۔ چین کی تمام مصنوعات کو.....واحد سمندری راستہ بحر ہند سے ہی گزرتا ہے۔ چین کی اقتصادی ترقی کی ضمانت کے لیے واحد مختصر ترین زمینی راستہ قدیم تجارتی شاہراہ ریشم ہے یہ شاہراہ پاکستان سے گزرتی ہے اور چین کو 'گوادر' کی بندرگاہ تک

بآسانی پہنچاسکتی ہے جوعرب دنیا کے پاس ہے اور تجارتی مراکز کے قریب ہے۔انہیں گرم پانیوں کی بندرگاہوں تک رسائی کے لیے سابقہ عالمی طاقت USSR نے 35 سال قبل قسمت آزمائی کی تھی مگر ناکام رہی۔اب بھی روس اور چین کے لیے زمینی راستہ پاکستان کی صوابدید پر ہے یہ راستہ پاکستان کی جغرافیائی محل وقوع کی اہمیت کوظاہر کرتا ہے۔

جنوبی ایشیا اور مشرق بعید کے ممالک کی اہمیت عالمی سطح پر اقتصادی، تجارتی اور فوجی لحاظ سے بھی باقی دنیا سے زیادہ ہے اور حیرانی کی بات ہے کہ اس وقت پوری دنیا کی آبادی تقریباً 750 کروڑ افراد (7.5 ارب) کی ہے اور اس حیران کن انسانی آبادی کے اعداد وشمار کا نصف سے زیادہ حصہ جنوبی ایشیا اور مشرقِ بعید کے زیر بحث علاقے میں آباد ہے۔موضوع کی اہمیت کے پیش نظر نقشہ منسلک ہے۔

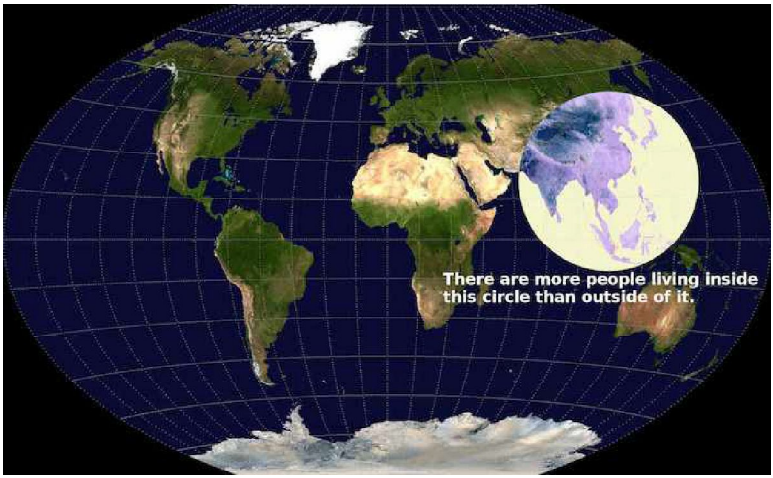

10۔ ہندو مسلم کشاکش کی اہمیت مشرقِ بعید کے ممالک سے اس لیے بھی منسلک ہے کہ قدیم ہندو تہذیب کے اثرات بھی انڈونیشیا، ملائشیا، کوریا تک پھیلے ہوئے ہیں اور شمالی ہند سے نکلا ہوا ایک بڑا اہم مذہب 'بدھ مت' بھی شمالی ہند، تبت، چین، ویت نام، کوریا وغیرہ کے ساتھ ساتھ جاپان کا بھی سب سے بڑا مذہب ہے۔اور اس کی 2/3 آبادی بدھ مت کی پیروکار ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مشرق بعید میں انڈونیشیا اور ملائیشیا دو عظیم مسلم ممالک بھی

شامل ہیں اور اسلام ساتویں صدی میں ہی مسلمان عرب تاجروں کے لیے ذریعے جنوبی ایشیا کے جنوبی ساحلوں میں پھیلا اور انڈونیشیا اور ملائشیا میں پھیلتا چلا گیا۔

فلہٰذا ـــــ ہندو مسلم کشاکش کی تاریخ میں پاکستان اور افغانستان سے مشرق کی طرف کے تمام ممالک کے نظریاتی پس منظر اور اس کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے باہمی روابط کے اثرات کا جائزہ ضمنی طور پر شامل ہے۔

11۔ موضوع سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے ہندو مسلم کشاکش کا یہ پہلو بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ جنوبی ایشیا میں تین صدیاں قبل مسلمانوں کی عظیم ترین سلطنت تھی اور اورنگ زیب عالمگیر (1656ء-1707ء) کی حکومت افغانستان سے لے کر برما تک تھی۔ مغربی صہیونی استعمار کی ظالمانہ یلغار سے مسلمان کمزور ہوئے مغربی استعمار نے 1857ء-1947ء تک حکومت کی اور اپنی حکومت کے استحکام کے لیے اس علاقے میں موجود ہندوؤں کو مراعات دے کر مسلمانوں سے لڑایا اور دورِ جدید کے نظریاتی ہندو مسلم فسادات کی داغ بیل ڈالی۔ دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ اقتصادی طور پر تباہ ہوگیا اور برطانوی ہند کو آزاد کرنے کی نوبت آئی تو صہیونی استعمار اور ہندو کی خواہش کے علی الرغم ملک ہندو بھارت اور مسلم پاکستان میں تقسیم ہوگیا۔ اس موقع پر ہندو اور مسلمانوں کے نظریات کا تضاد اور ثقافت زیر بحث رہا چنانچہ ملک کی تقسیم کی بنیاد 'دوقومی نظریہ' بنا کہ مسلمان اور بالعموم غیر مسلم یا غالب اکثریت ہندو دو الگ اکائیاں ہیں اور دنیا بھر کے دانش وروں کے نزدیک سیاسی لحاظ سے بھی دو قومیں ہیں۔ لہٰذا یہ اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

1947ء کے بعد سے صنعتی، اقتصادی اور سائنسی ترقی کے باعث دنیا میں ایجادات کا سیلاب آ گیا اور دنیا ایک گاؤں (GLOBAL VILLAGE) بن کر رہ گیا فاصلے سمٹ گئے مصروفیات میں تیزی آ گئی سہولیات کی بھرمار ہوگئی۔ لہٰذا ـــــ مسلم ہندو کشاکش جو ایک صدی قبل صرف جنوبی ایشیا تک محدود تھی وہ عثمانی سلطنت کے زوال کے باعث مشرق وسطی اور روسی ترکستان کے علاقے میں بھی پھیل چکی ہے اور 'دوقومی نظریہ' عالمی سطح پر مسلمان اور صہیونیت کے زیر اثر NATO ممالک اور بھارت کے درمیان 'مسلمان اور مغرب' یا 'اسلام اور صلیب' کی جنگ بن چکی ہے۔ ہر باعمل مسلمان کو 'دہشت گرد' قرار دیا جا چکا ہے۔ بے عمل اور دین سے دور مسلمان سہمے

ہوئے مغرب کے ساتھ رہ کر جھوٹی مراعات کا فائدہ اُٹھا رہے ہیں یہی طبقہ آج مشرق سے مغرب تک تمام مسلمان ممالک میں حکمرانی کے مزے لوٹ رہا ہے اور عالمی مغربی صہیونی طاقتوں کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔

دنیا کے گلوبل ویلج (GLOBAL VILLAGE) بننے سے ہندو مسلم کشاکش اب عالم اسلام vs عالمی مغربی صہیونی طاقتیں (جسے عالمی مغربی صہیونی امپریلزم کہنا زیادہ صحیح ہوگا) کی جنگ بن چکی ہے اور اسلام vs سیکولرازم یا اسلام vs روشن خیالی اور لبرل ازم کا نعرہ عالمی میڈیا کی زبان پر ہے۔

مشرق وسطی کے عرب ممالک عالمی تجارتی مرکز بن چکے ہیں۔ عالمی اقتصادی چین بھی مشرق میں ہے عالمی صہیونی طاقتیں یہودیوں کے زیر اثر ہیں اور ان طاقتوں کی جان صہیونی 'جن' اسرائیل کی مٹھی میں ہے۔ لہٰذا یہ بات زیادہ دور کی بات نہیں ہے کہ وہ نظریاتی کشاکش جو ایک صدی قبل برطانوی ہند میں برپا ہوئی تھی وہ نظریاتی جنگ (جسے امریکی صدر بُش نے نائن الیون کے واقعہ کے بعد صلیبی جنگ کا نام دیا تھا) اُسے کیموفلاج کر کے سیکولر مزاج اور روشن خیال مسلمان حکمرانوں کے حلق سے اُتارنے کے لیے نیو ورلڈ آرڈر کا نام دیا گیا ہے جو دراصل صہیونی ورلڈ آرڈر (JEW WORLD ORDER) ہے۔

حاصل کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ اس خصوصی اشاعت کے موضوع ''ہندو مسلم نظریاتی کشاکش'' کو صدیوں قبل کے مردے اکھیڑنے کے بات نہ سمجھا جائے یہ مسئلہ ایک صدی قبل بھی اہم تھا اور آج اس سے بھی کئی گناہ اہم ہے۔ پہلے صرف برطانوی ہند کا مسئلہ تھا اب یہ عالمی مسئلہ ہے۔ پہلے یہ ہندو مسلم کشاکش تھی اب یہ مغربی تہذیب کا نقطۂ عروج سیکولرازم اور لبرل ازم vs اسلام یا خدا vs ابلیس کا مسئلہ ہے۔ علامہ اقبال نے 80 سال قبل کہا تھا:

؎ اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

اور یورپی صہیونی طاقتیں کس طرح ابلیس کی مٹھی میں ہیں اور جدید عیسائیت کس طرح ابلیسی

خدمات سرانجام دے رہی ہے۔

ے ہے مرے دست تصرف میں جہانِ رنگ و بو
کیا زمین ، کیا مہر و مہ ، کیا آسمانِ تو بتو
دیکھ لیں گے اپنی آنکھوں سے تماشا غرب و شرق
میں نے جب گرما دیا اقوامِ یورپ کا لہو
کیا امامانِ سیاست ، کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہو!

لہٰذا یہ مسئلہ ہر مسلمان ہی کا نہیں ہر باشعور اور باضمیر انسان کا بھی ہے کہ خیر کی طاقت کا ساتھ دینا ہے یا ابلیس کی انسانی دشمن طاقتوں کے ساتھ کھڑا ہونے جا رہا ہے۔

فرمودۂ اقبال

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے
پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے
میر عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے ، میرا وطن وہی ہے

علامہ اقبال کے اس شعر میں آنحضرت ﷺ کی حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ یہ فرمایا تھا کہ مجھے ہندوستان سے توحید کی خوشبو آتی ہے۔
(شرح بانگ درا ، از پروفیسر یوسف سلیم چشتی)

باب 1

.....تمہید طولانی

تاریخ نگاری کے انداز

ہندو___ تاریخ کے آئینے میں

خداشناس اورانسان دوست تاریخ نگاری

خداشناسی اورخدابیزاری

خداشناس تاریخ اورخدابیزارتاریخ

تاریخ نگاری کے انداز

دنیا میں گزرتے ہوئے حوادث کو صرف بیان کر دینا وقائع نگاری کہلاتا ہے۔ پھر ان واقعات سے اہل علم نتائج اخذ کرتے ہیں یہ تجزیہ نگاری کہلاتا ہے کہ فلاں واقعے کا پس منظر کیا ہے پھر بعض اہل علم سوانح نگاری کرتے ہیں کہ صرف کچھ شخصیات کے کارنامے اور کامیابیاں ذکر کر کے بات ختم کر دیتے ہیں بعض حضرات کسی مخصوص شخصیت کو مبالغہ آرائی سے نوک پلک درست کر کے عیوب کو چھپا کر اور محاسن کو بڑھا کر تذکرہ کر کے دیومالائی شخصیت بنا دیتے ہیں ایسی دیومالائی شخصیات پھر مصنوعی آئیڈیل بنتی ہیں اور بادشاہ خزانہ لٹا کر اپنی یا اپنے خاندان کی گزری ہوئی شخصیات کو 'دیوتا' یا خدا بنا کر پیش کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ ہمارے دور میں ہر ملک میں مختلف محبوب اور انقلابی شخصیات (سٹائن، لینن، گاندی، نیلسن، منڈیلا وغیرہ وغیرہ) کے بت جگہ جگہ نصب کر کے آئندہ نسلوں کو بھی متاثر کرنے اور مسحور (HYPTONIZE) کرنے کی کوششیں ہوتی ہیں اور انصاف سے دور اور خود پرست لوگ ایسی انسان دشمن، علم دشمن، ظالمانہ رویوں کے مالک اور گھٹیا ذہنیت کے لوگ آئندہ بھی ایسا کرتے رہیں گے۔ بت پرستی کا رواج یہیں سے دُنیا میں آیا اور بادشاہوں نے اپنے وسائل دیکھ کر عوام سے ناانصافی کے ذریعے جمع کی ہوئی دولت کے انبار دیکھ کر اپنی شخصیات کو دوام بخشنے کی خواہش کی تکمیل کے لیے بت خانے اور معبد بنا دیے اہرامِ مصر بنا دیے محلات بنا دیے جس کے در و دیوار کی ہر اینٹ اور ہر پتھر سے غریب عوام کے خون کی بو آتی ہے۔

ایسے ہی بے انصاف مزاج کے لوگوں نے اپنے خاندانوں کو برتر ثابت کرنے کے لیے مہمل نظریات تراشے ہیں تاریخ کی من سند توجیحات کی گئی ہیں اور خدائی اوتار، سورج دیوتا اور چاند دیوتا کے خاندان سے رشتہ داری کا ڈھنڈورا پیٹا گیا اور ناپاک اور انسان دشمن اقتدار کو دوام

بخشنے کی کوششیں کی گئیں عوام پر ظلم ڈھائے گئے، ذاتی انا کے لیے جنگیں برپا کی گئیں۔ تاریخ کی کتابیں ایسی اَن گنت کہانیوں سے بھری ہوئی ہیں۔

انسانی علم آگے بڑھا تو منصف مزاج تاریخ دانوں اور وقائع نگار حضرات نے تاریخ انسانی کو ایک منظّم علم اور 'فلسفہ' کا درجہ دیا اور بجا طور پر کسی بھی علاقے میں کسی خاص وقت میں پیش آنے والے واقعہ (فتح یا شکست) کسی بادشاہ کی معزولی اور قتل اور دوسرے کی تاجپوشی اور جشن کو ماضی کے حالات کا منطقی نتیجہ بتایا ہے اور ان حالات و واقعات کے پس پردہ ایک تسلسل کی کڑی تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسی تاریخ نگاری کے فن کا ایک پہلو جس کا تذکرہ آج کے مؤرّخ، تجزیہ نگار اور دانشور حضرات بالارادہ نہیں کرتے بلکہ اس سے اجتناب کرتے ہیں وہ آج کے مغربی سیکولر صہیونی ذہن کے تحت تمام انسانوں اور اس کے خالق ورب اللہ تعالیٰ کا تذکرہ ہے اور اس کے ساتھ ہی آسمانی ہدایت کا تصور اور 'وجود' ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اگر یہ کائنات اور اس کے اندر موجود تمام مخلوقات اور روزمرہ پیش آمدہ تمام حوادث و واقعات ایک مدبر، سمیع، بصیر، قادر، عزیز، عادل، رحیم و رحمان ہستی کی صناعی اور قدرت کے مظاہر ہیں تو تاریخ نگاری کا ایک اعلیٰ درجہ یہ قرار پائے گا کہ آسمانی ہدایت کے معیار پر حالات و واقعات کو پرکھا جائے شخصیات کو 'تولا' جائے حکومتوں اور ان نظاموں کو جرح وتنقید کے بعد جانچ کر اس کی درجہ بندی میں صحیح جگہ رکھا جائے۔ ظلم ناانصافی قتل اور سفا کی جیسے جرائم کے حامل بادشاہوں کو شریف بنا کر پیش نہ کیا جائے اور اچھی اور انسان دوست، علم دوست، آسمانی ہدایت کی علمبردار شخصیات کے سیرت و کردار کو زیادہ نمایاں کیا جائے۔

تاریخ کے ایسے ادوار تلاش کر کے سامنے رکھے جائیں کہ جن میں عوام کو انصاف، عدل، روٹی کپڑا مکان، تعلیم، علاج معالجہ کے حصول کے بعد سکھ کا سانس لینے اور لازوال انسانی اخلاقی قدروں کے تحت زندگی گزارنے کے مواقع ملے ہوں۔ جبکہ ظالم اور سفاک بادشاہوں اور بادشاہتوں کی مذمت کرتے ہوئے ان کے حالاتِ زندگی کو نشانِ عبرت کے طور پر پیش کیا جائے تاکہ دنیا امن کا گہوارہ بن سکے۔

ماضی بعید کی صدیوں پر محیط ظالم، خدائی کی دعویدار، انسان دشمن، اخلاق دشمن،

انصاف دشمن بادشاہتیں اور شاہی خاندان تو قصۂ ماضی ہیں، افسوس اس بات کا ہے کہ عصر حاضر کے روشن خیال اور آزاد منش (لبرل) ہونے کے دعویدار حضرات (میڈیا) دانشور (وقائع نگار و تجزیہ نگار) مؤرخ (مصنف) ماضی کے قصیدہ گوشاعروں، بادشاہوں کے تنخواہ دار وقائع نگاروں، تجزیہ کاروں اور شاہی مؤرخین سے زیادہ مبالغہ آرائی، قصیدہ گوئی میں مصروف ہیں اور NGO'S کے عنوان سے غاصب ظالم اور خدائی کی دعویدار طاقتوں سے رقوم لے کر عوام کو دن رات بیوقوف بنا کر حقائق سے بے بہرہ رکھنے کا جرم عظیم کر رہے ہیں۔

حقیقت کی نگاہ سے دیکھیں تو ماضی کی سفاک یونانی، رومی، ایرانی اور فرعونی بادشاہتیں ہوں یا عصر حاضر کی روشن خیال حکومتیں جنہیں G-7 یا G-8 کہا جاتا ہے یا UNO جس کے عدل و انصاف و مساوات کے پاکیزہ اصولوں کو تار تار کرنے کے لئے سلامتی کونسل کے پانچ ارکان بطور گدھ ـــــ ترقی پذیر دنیا کے عوام کی بوٹیاں نوچنے کے لئے سال بہ سال اکٹھے ہو کر منصوبے بناتے رہتے ہیں اور دھوکہ دہی سے ان کے ہمدرد بنتے ہیں اور میڈیا کی ساحری کے ذریعے انسان دوستی کا راگ الاپتے ہیں جبکہ حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔

ہندو ـــــ تاریخ کے آئینے میں

ہندو مسلم نظریاتی کشاکش کے عنوان کی مناسبت سے ہمارے لئے ماضی کے دریچوں میں کئی صدیاں پیچھے تک دیکھے بغیر چارہ نہیں ہے اس غرض سے جب ہم ماضی کے اوراق پلٹتے ہیں اور حالات و واقعات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہم مختلف دانشور، اہل قلم اور مؤرخ کے اپنے اپنے مروّجہ انداز سے متعارف ہوتے ہیں۔ ہندو مسلم تاریخ میں بھی دوسرے علاقوں کے مؤرخین کی طرح ہمیں کئی قسم کے اہل قلم ہمیں نظر آتے ہیں۔ وقائع نگار بھی ہیں، تجزیہ نگار بھی ہیں، خداشناس بھی ہیں خدا بیزار بھی ہیں، بزعم خویش، آزاد خیال اور لبرل بھی ہیں اور مذہبی بھی۔ ان میں سے بعض معروضی حالات کے زمینی حقائق کو نظر انداز کر کے لکھنے والے بھی ہیں۔ ایسے لوگ بالعموم تاریخی اور مذہبی حقائق کے خلاف لکھ کر 'بے لاگ' تجزیہ نگاری کا دعویٰ کرتے ہیں جو خلافِ حقیقت ہے۔ یہ لوگ واقعات سے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق نتائج نکال کر کسی بات کے لئے بطور دلیل پیش کرتے ہیں یہ باتیں کبھی بعض مذہبی اور اخلاقی مسلّمات کے خلاف بھی ہوتی ہیں۔

ان سطور میں طوالت سے بچتے ہوئے اور موضوع سے قریب تر رہنے کے لیے ہم تاریخ، تاریخی واقعات اور تاریخی کتب کا خداشناسی اور انسان دوستی کے نقطۂ نظر سے تجزیہ کرنے کی کوشش کریں گے اور نتائج اخذ کر کے دریافت شدہ حقائق قارئین کی خدمت پیش کریں گے۔ اپنے طے شدہ اصول کے مطابق صحیح سمت میں آگے بڑھنے اور اپنے رب سے افراط وتفریط سے بچنے کی دعا کرتے ہوئے ہم کس قدر اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں یہ فیصلہ قارئین کریں کے اور مستقبل کا مؤرخ کرے گا۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقِیْقَۃَ الْاَشْیَآءِ کَمَا ھِیَ ..... اے اللہ ہمیں چیزوں کی حقیقت دِکھا جیسا کہ وہ ہیں۔

خداشناس اور انسان دوست تاریخ نگاری

خداشناسی اور خداشناسی کی بصیرت کی روشنی میں انسانی فلاح وکامرانی کے جو اصول آسمانی ہدایت میں آئے ہیں وہی حقائق ہی دراصل انسان دوست، علم دوست، اخلاق دوست اور حقیقتاً ماحول دوست اصول بھی ہیں جب کہ آسمانی ہدایت سے منہ موڑ کر اور خداشناسی کی مضبوط رسّی کو چھوڑ کر جو بھی علمی، مادی، صنعتی اور بودوباش کی ترقی ہوگی وہ انسان کو انسان دوست نہیں انسان دشمن بنائے گی اور انسان دوسرے انسان کا شکاری بن جائے گا جن لوگوں کی نگاہ تاریخ کے صفحات پر ہے وہ جانتے ہیں کہ پہلے انسان (حضرت آدم علیہ السلام) سے لے کر آج تک زیادہ عرصہ اسی طرح گزرا ہے کہ انسان نے اپنے اقتدار، حکومت، اختیار، وسائل پر قبضہ اور خاندانی وجاہت کے لئے جنگیں کی ہیں اور انسانیت کا بے دریغ انداز میں خون بہایا ہے۔

ایسا علم جو خداشناسی سے عاری ہو (جیسے آج کے مغربی علوم) تو یہ علم بھی انسان دوست نہیں انسان دشمنی کا روپ دھارلے گا اور بظاہر علم کی فراوانی اور تعلیمی ترقی کے باوجود انسان غیر مہذب اور وحشی قبائل کی طرح زندگی گذارے گا۔ خداشناسی نہ ہو تو خدابیزاری کا ماحول ہوگا۔ جسے آج خوبصورت سے نام سیکولرازم، اور سیکولرانسان، سے موسوم کر دیا گیا ہے۔ سیکولرانسان کبھی اخلاق دوست اور انسان دوست نہیں ہوسکتا۔ وہ تو خودغرض، بطن وفرج کا بچاری، ہر جائز وناجائز طریقے پر اپنے مفادات حاصل کرنے والا، ان میں اضافہ کرنے والا اور ان کا تحفظ کرنے والا ہوگا اور حقیقتاً سیکولرانسان ماحول دوست بھی نہیں ہوسکتا وہ حیوانات اور نباتات کے ساتھ بھی وہ سلوک

کرتا ہے جوان کو راحت پہنچانے کی بجائے تکلیف دیتا ہے۔

خداشناسی اور خدابیزاری

اگرچہ دنیا میں آج خدابیزاری کی فضا ہے اور تہذیب مغرب کی بالادستی نے ہر چہار طرف بے حیائی، بے راہ روی، آزاد خیالی، فکری انتشار، خودغرضی اور نفسانفسی کا عالم برپا کر رکھا ہے اور مقتدر طبقات اس کی سرپرستی کر رہے ہیں اور اسی سمت میں ایک مقابلے کا سماں ہے، لگتا ہے کہ عالمی سطح پورے روئے زمین پر ایک میراتھن ریس (MARATHON RACE) جاری ہے جس میں تمام انسانیت شریک ہے اور مغربی تہذیب کی بالادستی کی یہ دوڑ ایک صدی سے جاری ہے رات کو لوگ انفرادی سطح پر آرام کرتے ہیں اور صبح اٹھتے ہی پھر سب مرد و زن، بچے، بوڑھے، جوان دہاتی شہری اسی دوڑ میں شریک ہو جاتے ہیں۔ ذرا باریک بینی سے دیکھیں تو زمین اپنے محور کے گرد گھوم رہی ہے اور کہیں دن اور کہیں رات ہے۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ نفسانفسی کی یہ دوڑ آج کی اصطلاح میں 24/7 جاری ہے یہ دن کے 24 گھنٹے اور ہفتے کے ساتوں دن ہمہ وقت لوگ سستا کر پھر اسی سیکولرازم کے عطا کردہ ایک موہوم سکون اور آسودگی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں اور ہر انسان کی موت تک اس کی دوڑ جاری رہتی ہے۔

تاہم ـــــ اہل علم جانتے ہیں کہ موجودہ عالمی مغربی صہیونی بالادستی کے منحوس دور سے پہلے روئے ارضی کے انسان ایسے تو نہ تھے، دنیا کے تمام علاقوں میں ماضی کے دھندلکوں میں جھانک کر دیکھیں تو ـــــ کسی فلسفیانہ بحث میں پڑے بغیر یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ انسان ـــــ ایک خالق ـــــ ایک مالک ـــــ ایک ربّ کا تصور رکھتا ہے، اس کائنات کا ایک بنانے والا ہے، آسمانی ہدایت ہے، پیغمبر ہیں، انسان کے خالق نے اس کے لئے ایک ضابطہ بنایا ہے پھر مذہب ہی نے اخلاق دیا ہے اور انسان کی ایک دبی ہوئی خواہش کے عین خارجی مصداق کے طور پر آخرت کی دائمی زندگی کا تصور دیا ہے اور عقل و فطرت کے عین مطابق ـــــ ہر وہ شخص جو خداشناسی کی زندگی گزارتا ہے کوتاہیوں اور خامیوں اور بار بار توبہ کے باوجود وہ دائمی پرسکون زندگی پائے گا جس میں غم، تفکرات، دکھ، محرومیوں کا تذکرہ بھی نہیں ہوگا ـــــ اور خدابیزاری کے علمبردار اور مبلغین ـــــ اپنی اس زندگی کے اعمال یعنی انسان دشمنی، اخلاق دشمنی، علم دشمنی، خودغرضی، انسانیت کی تذلیل،

عورت کی تذلیل اور استحصالی منصوبوں کی وجہ سے ایک سزا کی دائمی زندگی سے دوچار ہوں گے جو آگ ہے، جہنم ہے، دوزخ ہے۔ اَعاذَنا اللّٰہ من ذالك

پرسکون زندگی کی جگہ کا نام جنت ہے اسی کامیاب زندگی کا ایک اہم EVENT خالق کائنات اور مالک وربّ کا دیدار ہے۔ جب کہ سیکولرازم کے حاملین اور انسان دشمنی سوچ کے حامل لوگ جن کا آج بڑا خوشنما عنوان آزاد خیال اور روشن خیال لوگ ہے جو کسی خالق اور رب کے تصور سے ہی کوسوں دور رہ کر زندگی گذارتے ہیں ان کی زندگی پاپ کلچر، ہالی وڈ، بالی وڈ، فلمی دنیا، عیاشی اور ہر سماجی، اخلاقی، مذہبی اور فطری بندھن سے بغاوت کر کے ابلیسی طرزِ زندگی کا نمونہ ہیں ان کی وہ زندگی ہے جس کا دوسرا نام جہنم ہے جس زندگی کا سب سے بڑا المیہ اپنے خالق و مالک و ربّ کے دیدار سے محرومی ہے۔

ہم یہاں کسی 'وعظ' اور 'نصیحت' کے انداز کو اختیار کر کے کسی روایتی مذہبی طرزِ کلام کا ماحول پیدا نہیں کر رہے بلکہ صرف حقیقت واضح کرنا مقصود ہے کہ دین، مذہب، خداپرستی اور خداشناسی ہو یا خدا بیزاری، سیکولر سوچ 'آزادی' لبرل ازم، تمام اخلاقی سماجی، فطری، انسانی جبلی بندھنوں کو توڑ کر انسان دشمن ابلیسی طرزِ زندگی ہو دونوں نقطۂ ہائے نظر کے ماننے والے انسانیت کی معلوم تاریخ کے وقت سے روئے ارضی پر موجود ہیں۔ تاریخ میں ایسے ادوار آئے ہیں کہ کبھی خداشناسی عام ہوگئی اور کبھی خدا بیزاری، بت پرستی، خدائی کے دعوے اور ابلیسی سوچ عام ہوگئی۔

ہم ان سطور میں اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے کہ آج کے انسانوں میں بھی ان دو طبقات کے نمائندے موجود ہیں خداشناسی اور خدا بیزاری کے نقطۂ نظر سے تاریخی واقعات اور ہندو تاریخ کا ایک تذکرہ، تجزیہ اور اس کے انسانیت پر مہلک اثرات کا تذکرہ کرنے جا رہے ہیں۔

ہم یہاں آگے بڑھنے سے پہلے اس بات کو مخفی رکھ کر قارئین اور دنیا کو کسی مخمصے میں مبتلا کر کے ذہنی کوفت میں نہیں ڈالنا چاہتے بلکہ واضح اور عیاں کرنا اپنا فرض اور اخلاقی ذمہ داری سمجھتے ہیں کہ ہم ایک اللہ کے ماننے والے ہیں جو رب ہے مالک ہے خالق ہے اسی نے تن تنہا اس کائنات کو پیدا فرمایا ہے اور اس کو چلا بھی رہا ہے۔ اس نے اس کائنات میں دریا، پہاڑ، زمین، آسمان بنائے ہیں 'حیات' پیدا کی ہے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اس کو 'بے پناہ'

دماغی، ذہنی عقلی، قلبی، کشفی، الہامی، روحانی قوتیں بخشی ہیں جس کا ادنیٰ احساس 'ضمیر' اور CONSCIENCE کی صورت میں ہر انسان کو ہوتا ہے کچھ انسانوں کا اس بات سے انکار (اور گزشتہ ایک صدی میں مغربی تہذیب کے زیر اثر بتدریج ایسے لوگوں کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے) اس کے عدم وجود کا نہیں بلکہ اثبات کا ثبوت ہے۔

(ہمارے نزدیک انگریزی زبان کا لفظ CONSIENCE ایک طرح کی قلبی اور کشفی سائنس (SCIENCE) ہی ہے جس طرح کہ مادّی اور حسی چیزوں کا علم سائنس کہلاتا ہے جس کا آج عروج ہے۔ CON کا سابقہ انگریزی زبان میں ایک استعمال CONFERENCE، CONFER، CONVERGE، CONTRACT، CONTACT میں ہے، جہاں کسی بات پر مختلف اطراف یا مختلف لوگوں کی طرف سے ایک مرکز پر جمع ہونا ہے SCIENCE کے شروع میں CON لگا کر بھی انگریزی زبان میں یہی مفہوم زمانۂ قدیم میں دیا گیا ہے کہ جہاں سارے عقلی علوم جمع ہو جاتے ہیں وہ انسانی ضمیر اور CONSCIENCE ہے)

مزید برآں ـــــ خالق کائنات کا انسان سے مسلسل رابطہ ہے اس کی نگرانی ہے جس کا ایک مظہر آسمانی وحی و ہدایت کا سلسلہ تھا جو کئی ہزار سال جاری رہ کر دورِ جدید کے آغاز پر حضرت محمد ﷺ پر مکمل ہو کر بند ہو گیا۔ تورات، زبور، انجیل اور قرآن آسمانی کتابیں ہیں، اگرچہ تورات، زبور اور انجیل کے اصل زبان میں متن (TEXT) دنیا میں کہیں میسر نہیں ہیں، جبکہ قرآن مجید اپنے اصلی عربی متن کے ساتھ بغیر کسی تغیر و تبدل کے آج بھی موجود ہے اور قابل عمل ہے۔ اس استدلال کو مان کر ہم خدا شناسی کے جذبے کے ساتھ ہی یہ کام کر رہے ہیں۔

دنیا میں ایک دوسرا طبقہ بھی ہے جو خدا شناسی کے جذبے کو قبول نہیں کرتا۔ یہ انحراف حضرت آدم علیہ السلام پہلے مکمل انسان (روح اور جسد کے ساتھ) کے وقت سے جاری ہے۔ جس وقت شیطان یعنی ابلیس نے انسان کی عظمت کو ماننے سے انکار کر کے آسمانی ہدایت اور اس کے ماننے والے لوگوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ یہ جنگ آج بھی مختلف محاذوں پر جاری ہے اور ابلیس کے دعوے کے مطابق اس کی خواہش اور کوشش ہے اور جب وہ کہیں کامیابی حاصل کرتا ہے تو معاشرے میں عریانیت بے لباسی، بے حیائی، لوٹ کھسوٹ، انسان دشمنی، اخلاق دشمنی،

ہر قانون سے آزادی کا رُجحان اور من مانی کرنے کا چلن اور باہمی جنگ وجدال کا دور دورہ ہو جاتا ہے اس کے برعکس جب خیر غالب آتا ہے تو اوپر درج سارے منفی رجحانات ختم ہو جاتے ہیں اور خداشناسی، انسان دوستی، علم دوستی اور ماحول دوستی کے رجحانات فروغ پاتے ہیں۔ یہ طبقہ خدا بیزار طبقہ کہلاتا ہے جس کا دوسرا نام سیکولرازم اور سیکولر مزاج ہے یہ لوگ خدا بیزاری کے ساتھ آسمانی ہدایت کے دشمن، وحی کے دشمن، انبیائے کرام علیہم السلام کے دشمن اور درحقیقت انسان کے دشمن ہوتے ہیں۔ یہی دورویّے آج بھی دنیا میں آمنے سامنے ہیں ہمیں اعتراف ہے کہ آج دنیا میں خدا بیزاری کا جذبہ عام ہے اور خداشناسی کا جذبہ دبا ہوا ہے۔

خداشناس تاریخ اور خدا بیزار تاریخ

تاریخ کے وہ لمحات یا ادوار یا حکمران جو خداشناس تھے ان کا دور انسان دوست تھا وہ تاریخ اپنا ایک خاص مقام اور مزاج رکھتی ہے جبکہ تاریخ انسانی کے وہ ادوار جن میں خدا بیزاری کا غلغلہ تھا وہ حکمران اور ان کا طرزِ حکومت سیکولر اور خود غرضانہ تھا اس دور کی تاریخ میں وہ سب کچھ اپنے زمانے کے معیار کے مطابق ہوتا رہا جو دنیا میں گزشتہ کئی صدیوں سے صہیونی مغربی سیکولر تہذیب کے دور میں ہوتا آرہا ہے اور یہ مزاج گزشتہ ایک صدی میں اپنے عروج پر ہے۔

ہم نے یہاں تاریخ کا خداشناسی کا رُخ اپنایا ہے اور اسی کو معیار بنا کر اپنے موضوع پر گفتگو کو آگے بڑھانے کا عزم کیا ہے۔

لا خير فی من لا خير فيه للناس

اُس شخص میں کوئی خیر نہیں جس میں لوگوں کے لیے خیر نہیں

ہندومت میں ذات پات کی تقسیم

☆ **Aryans**

☆ **Non-Aryans**

BRAHMINS

Priests

KSHATRIYAS

Warriors

VAISYAS

Herders, farmers, merchants,

Craftspeople

SUDRAS

Farm workers, servants, laborers

Source: guide to the Essentials of World History,

Prentice Hall, 1999 (adapted)

باب 2

ہندومت اور ہندو کے بارے میں

افکارِ معاصرین

1 ہند، ہندی اور ہندوستان

2 اگر اب بھی نہ جاگے تو.....

3 تاریخ کا مطالعہ

4 تو صاحب منزل ہے کہ بھٹکا ہوا راہی

5 وفا کا کعبہ

6 دیوارِ برہمن

اَقوام و مِلَل کی نفسیات اور رویوں کو زیرِ بحث لاتے ہوئے یہ بدیہی حقیقت سامنے رکھنا ضروری ہے کہ ہر قوم، علاقہ، مذہب اور گروہِ انسانی کی ایک تاریخ ہے اور اس پر صدیوں اور ہزاروں سالوں کے دوران مرورِ زمانہ سے بے شمار نشیب و فراز کا تذکرہ ناگزیر ہے۔

چنانچہ ـــــ ہندومت اور ہندو پر اس گفتگو کے دوران راقم کو اس حقیقت کا ادراک ہے کہ اس موضوع پر قلم اُٹھانے والا نہ پہلا شخص ہوں اور نہ آخری۔ ماضی کے دریچوں میں جھانک کر دیکھیں تو گزشتہ پانچ چھ ہزار سال کی تاریخ میں جنوبی ایشیا میں بسنے والے انسانوں کے بارے میں اَن گنت لوگوں نے قلم اُٹھایا ہے اور اپنے اپنے مزاج، افتادِ طبع اور ماحول کے مطابق حقائق کے بکھرے موتی اور علم کے جواہر پارے دوسروں کے سامنے پیش کیے ہیں۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر صاحبِ قلم کی تحقیق و جستجو سے مکمل اتفاق لازمی نہیں ہے۔ بعض اہلِ قلم کی باتیں فوراً ہم عصروں میں ہی مقبول ہو جاتی ہیں اور عزت و شہرت نصیب ہو جاتی ہے بعض اہلِ قلم کی باتیں دس بیس سال بعد اور بعض صدیوں بعد صحیح تسلیم کی جاتی ہیں اور بجا ہے کہ اہلِ قلم کے بعض نتائج اور استدلال کی کمزوری اور مستقبل بینی کی کوشش میں کوتاہ نظری کی وجہ سے غلط ثابت ہوتے ہیں۔

اس باب میں افکارِ معاصرین کے عنوان سے ہم نے بعض اہلِ علم و دانش کی قدیم و جدید تحریروں کے اقتباسات جمع کرنے کی سعی کی ہے جس سے قارئین کو موضوع زیرِ بحث کے بارے میں مختلف الخیال لوگوں کے افکار سے آگاہی بھی ہوگی اور ایک آفاقی دانش (PANORAMIC VISION) حاصل ہوگا جس سے ہماری آئندہ گزارشات کو بہتر پس منظر میں سمجھا جا سکے گا اور ہم نے صغریٰ کبریٰ (THESIS & ANTITHESIS) ملا کر جو نتائج نکالے ہیں ان کی کھلی آنکھوں اور کھلے کانوں کے ساتھ درجہ بندی (EVALUATE) کر سکیں گے۔

جن معزز معاصرین اہل قلم دانشور حضرات سے روشنی حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے ان کے نام بمع تصنیف درج ذیل ہیں:

1	ہند، ہندی اور ہندوستان	شفق ہاشمی
2	اگر اب بھی نہ جاگے تو.....	شمس نوید عثمانی
3	تاریخ کا مطالعہ	غلام باری
4	تو صاحب منزل ہے کہ بھٹکا ہوا راہی	نور محمد قریشی (ایڈووکیٹ)
5	وفا کا کعبہ	حسن محمود
6	دیوارِ برہمن	پروفیسر محمد منور

---

1 ہند، ہندی اور ہندوستان

ایک تہذیبی اور لسانیاتی جائزہ

شفق ہاشمی

(شائع کردہ: اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی)

پاکستان کے پس منظر میں جب ایسے کسی موضوع پر قلم اُٹھایا جائے گا تو صاحب مضمون پر ملّی، وطنی یا لسانی عصبیت کی تہمت تو لازمی لگنی ہے مگر تاریخی اور علمی حقائق کو بھلا کون جھٹلا سکتا ہے۔ ہماری سہل انگاری اور خود فراموشی نے بدقسمتی سے قومی زبان کے حوالے سے اتنے مفروضات جنم دیے ہیں کہ اگر آج ان سے ہٹ کر یا ان کے برعکس بات کی جائے تو فوری ردّعمل تشکّک اور پھر انکار کا ہوتا ہے مگر بہرحال حقائق تو کسی کی پسند اور ناپسند کے تابع نہیں۔

گفتگو کا آغاز پاکستان ہی سے کرتے ہیں۔ مملکتِ خداداد پاکستان بیسویں صدی کی ایک عظیم تاریخ گر اور عہد ساز حقیقت ہے۔ یہ بات درست ہے کہ اس نام کی کوئی ریاست سات دہائی قبل اس خطے میں کہیں نہیں پائی گئی اور نہ یہاں پہلے کسی منظّم سیاسی وحدت کا سراغ ملتا ہے۔ مگر

تاریخی اور جغرافیائی حقیقت یہ بھی ہے کہ وادیٔ سندھ کا ہزاروں مربع میل پر پھیلا یہ خطہ ازمنۂ قدیم سے برصغیر جنوب ایشیا سے زیادہ وسطی اور غربی ایشیا سے جڑا دکھائی دیتا ہے۔ شمالی کشمیر کے مرغزاروں سے جنوب میں دیبل کے ساحل تک اور مغرب میں خاران، پنجگور اور تفتان سے مکران کی طویل ساحلی پٹی عبور کرتا جنوب مشرق میں سندھ ڈیلٹا کے اُس پار خلیج کچھ تک کا یہ علاقہ اپنی جداگانہ تہذیب و تشخص کی بنا پر برصغیر میں ہمیشہ ایک منفرد مقام کا حامل رہا ہے۔ اگر اس کا ایک دریچہ وادیٔ گنگا کی طرف کھلتا ہے تو کئی دروازے سجستان (موجودہ افغانستان)، خراسان، فارس، کاشغر اور ثمرقند و بخارا کی جانب کھلتے ہیں۔ بالائی وادیٔ سندھ سے ابھرنے والی شاہراہ ریشم نے ایک طرف اسے دیارِ چین اور کہستانِ قفقاز سے مربوط کر رکھا ہے تو دوسری جانب ساحل دیبل و مکران سے پھوٹنے والی آبی شاہراہوں نے شرقِ اوسط، خلیج عدن اور وادیٔ نیل سے اسے جوڑ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ارضِ پاک کو وسطی، غربی اور جنوبی ایشیا اور مشرقِ بعید اور چین کے درمیان بجا طور پر ایک قدرتی پل کا مقام حاصل رہا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جو وادیٔ گنگا کا ویری و نربدا کی گزرگاہوں کو کبھی نصیب نہیں ہوا۔ تاریخ کے آئینے میں جھانکتے ہیں تو موہنجوداڑو سے ہڑپہ تک پھیلے آثار درج بالا حقائق کی گواہی دیتے نظر آتے ہیں۔

شاید ہم میں سے کم لوگوں کو معلوم ہو، کیونکہ ہم نے کتابوں کے خزینوں میں یہ معلومات اس طرح دفن کر رکھی ہیں کہ عامّۃ الناس تو کجا، دانشورانِ قوم اور جامعات وکلّیات میں معاشرتی علوم کے مروّج نصاب تک یہ بار نہیں پاسکیں، کہ وادیٔ سندھ اور وادیٔ نیل چار ہزار سال قبل تہذیبی لحاظ سے ماں جائی (SISTER CIVILIZATIONS) تھیں۔ رمسیس دوم کا مصر اور موہنجوداڑو دور کا سندھ بھرپور تجارتی اور ثقافتی روابط میں مربوط تھے۔ خام کپاس اور پارچہ جات سے لدی بڑی بڑی بادبانی کشتیاں اِدھر سے اُدھر دوڑتی پھرتی تھیں، حتیٰ کہ پہلی بار وادیٔ نیل میں کپاس کے بیج بھی یہیں سے پہنچے جنہیں نیل کے پانی نے یوں پروان چڑھایا کہ آج اس کے پودے ان کے یہاں ہم سے زیادہ دراز قد اور توانا ہیں۔ موہنجوداڑو سے ملنے والی پختہ مٹی کی مہروں پر درج جو تصویری عبارت یا نقوش (HIEROGLYPHS) ہیں، وہ مشہور ماہر سندھیات مولانا ابوالجلال ندوی مرحوم کے تحقیق و تجزیہ کے مطابق مصر کے آثار پر کندہ ہیروغلف سے بڑی حد تک

مشابہ ہیں۔حتی کہ موہنجوداڑو سے برآمدہ پروہت (CHIEF PRIEST) کے مجسّمے (BUST) کے نقوش اور ملبوس اس کے ہم عصر مسیس عہد سے ملتے جلتے ہیں۔جبکہ خواتین کے زیورات بھی کم وبیش اسی طرز کے ہیں جیسا کہ مصری آثار الصنادید میں دیکھے جاسکتے ہیں۔یہ جوارضِ پاک پر بسنے والوں کے خدوخال اور بودوباش کے طور طریقے جنوب ایشیا والوں سے کم کم اور وسط ایشیا اور شرقِ اوسط سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں یہ کوئی اتفاقی حادثہ تو نہیں۔

تیرھویں صدی قبل مسیح سے 200 قبل مسیح تک کم وبیش گیارہ صدیوں پر محیط طویل دورانیے میں اگر ایشیائے کوچک سے آریاؤں کا ٹڈی دَل فارس وخراسان کو تاخت وتاراج کرتا وادیٔ سندھ میں نہ درآتا تو اس کی یہ تہذیب شاید فنا کے گھاٹ نہ اُترتی۔قاضیٔ ازل کا مگر فیصلہ کچھ اور ہی تھا۔وہی سرزمین سندھ پھر 10 رمضان المبارک 93 ہجری (712 میلادی) میں باب الاسلام بنتی ہے اور آریہ نسل کا بحری قذاق داہر اپنے انجام کو پہنچتا ہے اور اس کے ساتھ وہ استحصالی برہمنی نظام بھی جس نے اس خطے کے اصل مکینوں کے حقوق سلب کر رکھے تھے۔قائداعظم نے یوں ہی تو نہیں کہا تھا کہ ''پاکستان اُسی وقت وجود میں آ گیا تھا جب سندھ کی سرزمین پر اوّلین مسلمان نے قدم رکھا تھا''۔موہنجوداڑو اور ہڑپہ کی کوکھ سے ایک نئی نسل، نئی زبان، نئی روایات اور بالآخر ایک نئی ہند اسلامی تہذیب جنم لیتی ہے جو بارہ صدیوں بعد اپنے نقطۂ کمال تک پہنچتی ہے اور اس طرح وادیٔ سندھ کا یہ وسیع وعریض خطہ ریاست مدینہ کا وارث بن کر مملکت خداداد پاکستان کی شکل میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتا ہے۔وہ سیاسی اور ثقافتی وحدت جس سے یہ جغرافیائی حقیقت ہمیشہ محروم رہی تھی بالآخر قسّامِ ازل سے وہ بھی اسے عطا ہو جاتی ہے۔

بھگوَت گیتا کے ضمن میں بہت سی باتیں انتہائی باعث حیرت ہیں۔جیسے جس کوی کی زبانی کرشن جی مہاراج کے پند ونصائح پر مبنی یہ رزمیہ ترتیب پایا خود اس کے حدودِ اربعہ کا کسی کو کچھ علم نہیں۔بظاہر وہ کرشن جی کا معاصر بھی نہیں۔پھر اس کہانی کا راوی پانڈوؤں کے فریق مخالف کا وہ فرد ہے جو میدانِ جنگ میں کرشن جی کے حریف کورووں کے نابینا بادشاہ دھرت راشٹر کا رتھ بان ہے۔گیتا میں سنجیو یا سجنے نام سے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔اس راوی کا اصل کام تو یہ تھا کہ وہ اپنے نابینا فرماں روا کو جنگی صورت حال سے باخبر رکھے مگر عملاً وہ کرشن جی مہاراج اور ان کے ساتھی ارجن کا

قصیدہ خواں بن کر سامنے آتا ہے اور پوری کتھا کا واحد ترجمان یا تو وہ ہے یا پھر ان تمام کرداروں کا خالق کوی ویاس۔ تیسری حیران کن بات یہ ہے کہ کرشن جی کے پند و نصائح اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ ان کے مخالف کیمپ میں کسی طرح پہنچے کہ راوی انہیں یوں بیان کرتا ہے گویا وہ دھرت راشٹر نہیں بلکہ کرشن جی کا رتھ بان ہو۔ چوتھی اس سے بھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ عین حالت جنگ میں ارجن کے ساتھ یہ طویل مکالمہ کیونکر ممکن ہوا گویا وہ جنگ کا میدان نہیں بلکہ کرشن جی کی محل سرا ہو۔ یہ اور اس نوعیت کے ڈھیروں سوالات ہیں جس کا ہمیں گیتا کے سیاق و سباق سے کوئی جواب نہیں ملتا۔ کرشن جی کے وعظ سے جو فلسفہ جنگ، بشرطیکہ اسے فلسفہ کہا جا سکے، اخذ کیا جا سکتا ہے وہ بس اتنا ہے کہ جنگ جیتنے کے لیے کسی اخلاقی اصول یا انسانی اقدار کی پاسداری لازمی نہیں۔ دشمن کو بہر حال تہس نہس ہونا چاہیے۔ درحقیقت یہی وہ فکر ہے جو آریا قوم کا ہمیشہ رہنما اصول رہا ہے۔

سری کرشن جی سے تقریباً دو صدی قبل رام چندر جی کا ظہور ہو چکا تھا۔ شخصیت گو کہ ان کی بھی تاریخی سے زیادہ دیومالائی ہے مگر ان کا اخلاقی پہلو کم از کم رادھا اور اس کی سہیلیوں کے دوست ''مکھن چور'' کرشن مراری کی طرح داغدار نہیں۔ وہ پاٹلی پتر کے راجہ دسرتھ کے بڑے صاحبزادے تھے جو راج پاٹ کی آویزش سے خود کو الگ کر کے ایک فرماں بردار بیٹے کی طرح بارہ برس کا بن باس لے لیتے ہیں۔ یہاں ان کی بیوی سیتا جی کے ساتھ وہ واقعہ پیش آتا ہے جو کہانی کا مرکزی حصہ ہے۔ اس داستان تک بھی ہماری رسائی بالمیکی نام کے داستان گو (BARD) کے ذریعہ ممکن ہوئی جس کی تصنیف ''رامائن'' تقدس میں گیتا کے ہم پلہ ہے۔ ویاس کی طرح کسی کو نہیں معلوم بالمیکی نام کے سنیاسی کا زمانہ رام چندر جی سے کتنا قریب یا کتنا دور تھا اور وہ رام کہانی کس طرح اس تک پہنچی۔ یہ بھی یقیناً سینہ بہ سینہ ہی پہنچی ہوگی جیسا کہ لوک داستانوں کا خاصہ ہے۔ مگر کہیں کوئی تو اس کا ماخذ یا چشم دید راوی ہونا چاہیے۔ رامائن اور مہابھارت کا جو مقام ہندو مذہب میں ہے اس کو دیکھتے ہوئے قدیم یونانیوں پر حیرت ہوتی ہے جو خود بھی صنمیات زدہ تہذیب کے فرزند تھے کہ انہوں نے آٹھویں صدی قبل مسیح کے اپنے عظیم پیدائشی نابینا شاعر ہومر کی شاہکار رزمیہ داستانوں ایلیڈ (ILIAD) اور اوڈیسی (ODYSSEY) کو تقدس کا وہ مقام کیوں نہیں بخشا، جب کہ ان کا کم از کم ادبی پہلو بالمیکی اور ویاس کی تصانیف سے بہت بلند ہے۔

برہمنی استبداد کے خلاف ردّعمل کے طور پر برصغیر کی وہ اصلاحی تحریک اُٹھی جو حقیقتاً ہند آریائی تہذیب کے خلاف اعلانِ جنگ تھا۔ پہلے مہاویر جین اور پھر مہاتما بدھ (563-483 ق م) کی قیادت میں اس پُرامن تحریک نے ذات پات کے برہمنی نظام کی چولیں ہلا دیں اور قریب تھا کہ آریہ ورت اس اخلاقی انقلاب کے آگے سپر انداز ہو جائے مگر عیار برہمن نے پہلے مہاویر جین اور پھر مہاتما بدھ کو اوتار کا روپ دے کر برہمنیت کے دامن عافیت میں لینا چاہا، جیسا اس نے چند صدی بعد رام اور کرشن کے ساتھ کیا۔ جین تو ہندومت کی ایک ذیلی شاخ بن کر اس میں کھپا دیے گئے مگر مہاتما بدھ زیادہ سخت جان نکلے۔.....

بارہ تیرہ صدیوں پر محیط اس تمام عرصے میں ہمیں ہند، یا ہندوستان نام کی کسی متحدہ ریاست کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔ اس پورے عرصے میں گنتی کے صرف چند حکمران گزرے جنھوں نے کلی یا جزوی طور پر پورے برصغیر پر حکمرانی کی۔ ان میں ممتاز ترین چندر گپت موریہ، اس کا پاتا مہاراجہ اشوک اور پھر ہرشن وردھن ہیں مگر ان کی سلطنت کا نام کیا تھا اور اس کے اثرات کتنے دیرپا ثابت ہوئے، تاریخ یہ بتانے سے قاصر ہے۔ کالنگا یا موجودہ اڑیسہ کی خون ریز جنگ جیت کر کشت وخون کی آریائی روایت سے مہاراجہ اشوک ہمیشہ کے لیے تائب ہو گیا اور اس نے بدھ مت اختیار کر لیا۔ وہ اس نئے مذہب کا ایسا مخلص علمبردار بنا کہ اپنی وسیع وعریض مملکت کے طول وعرض میں اس اصلاحی تحریک کا پیغام فولادی یا سنگی ستونوں پر کندہ کروا کر جابجا نصب کروا دیا۔ مسلمانوں کی آمد سے قبل وہ بلاشبہ برصغیر کا ایک عظیم حکمران تھا مگر پھر اس کے ساتھ بھی برہمن سامراج نے وہی کیا جو ہمیشہ غیر برہمنوں کے ساتھ اس کا وطیرہ رہا ہے۔ مسلم فرمان رواؤں کی عالی ظرفی سے اشوک کے یہ دعوتی ستون نہ صرف محفوظ رہے بلکہ انہیں نمایاں مقامات پر بطور خاص نصب کیا گیا۔ اس ضمن میں سلطان قطب الدین ایبک اور سلطان شمس الدین التمش کی عظیم الشان مسجد قوت الاسلام (مہرولی) میں عین مسجد کے وسیع وعریض صحن کے ایک گوشہ میں قطب مینار کے زیرسایہ نصب اشوک کی لاٹ آج بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ یہی کام فیروز شاہ تغلق نے اپنے نوتعمیر کوٹلہ فیروز شاہ میں سرانجام دیا جہاں مرکزی دروازہ کے عین سامنے اس مقصد سے بنائے گئے ایک بلند چبوترہ پر اشوک کا سنگی ستون نصب کیا گیا جو قدیم وجدید دہلی کے سنگم پر واقع

اس کوٹلہ یا فوجی کیمپ میں داخل ہونے والے ہر شخص کی توجہ کا مرکز آج بھی ہے۔

.....مشہور ہندوستانی مؤرخ، سفارت کار اور فارسی کے عالم ڈاکٹر تاراچند نے اپنی بلند پایہ تصنیف ''تاریخ ہند'' میں محمود غزنوی کی بطور خاص توصیف کی ہے کہ اس نے سومنات کے مندر کی اینٹ سے اینٹ بجا کر ہزاروں دیوداسیوں کو آزاد کیا اور زر و جواہر کے انبار جن پر برہمن سانپ بنا بیٹھا تھا، اسے اس کے تصرف سے نکال کر ریاست غزنہ میں فلاحی کاموں پر صرف کیا۔ ڈاکٹر تاراچند نے غزنوی فتوحات کے حوالے سے محمود کو محمودِ اعظم کا خطاب بھی دیا کہ اگر فتوحات کی کثرت کی بنا پر سکندر کو سکندرِ اعظم کہا جا سکتا ہے تو پھر محمود غزنوی کے لیے یہ خطاب کیوں موزوں نہیں۔

.....جس قوم نے نسلاً خود اپنی قوم کے نچلے اور پس ماندہ طبقات کا یہ حشر کیا تھا، اس نے مقامی آبادیوں کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا ہوگا اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہی وہ شودر طبقہ ہے جسے مسیحی مبلغین نے برطانوی دور میں عیسائی بنا کر تاجِ برطانیہ کے ہوا خواہوں میں اضافہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ از خود وقتاً فوقتاً کثرت سے مشرف بہ اسلام بھی ہوتے رہے مگر بدقسمتی سے اپنی طویل عملداری میں ہند کی مسلم ریاست یا یہاں کے علما کی طرف سے ایسی کسی دعوتی مہم کا پتا نہیں چلتا ورنہ اس کے اثرات ایسے انقلاب آفریں ہوتے کہ آج دیارِ ہند کا سیاسی اور تہذیبی نقشہ یکسر مختلف ہوتا۔ گاندھی جی کی ''سیاسی بصیرت'' نے جب دیکھا کہ ہندو قوم کی عددی برتری کہیں اس طرح اقلیت میں تبدیل نہ ہو جائے تو شودروں کو ہندو سماج میں سمونے کے لیے ''ہری جن''، یعنی اولادِ باری تعالیٰ کے دل فریب نام سے نوازا گیا اور چند خصوصی مراعات دی گئیں مگر کیا کیا جائے صدیوں سے قائم اس استحصالی نظام کا جس میں اچھوتوں کی قسمت تو کیا بدلتی ناتھورام گوڈسے نے برہمن روایات سے بغاوت کے جرم میں بنیاذات کے گاندھی جی کا کام تمام کر دیا اور آج جدید ہندوستان میں ہمیں ''دلیت پینتھرز'' اور مختلف دوسرے ناموں سے انہیں پسماندہ اقوام کی مسلح جدوجہد کی خبریں پڑھنے کو ملتی رہتی ہیں۔

اس لسانی اور تہذیبی پس منظر میں سب سے حیرت انگیز بات ''ہندو'' کے حوالے سے سامنے آتی ہے۔ برصغیر کی یہ اکثریتی قوم جو خود کو ہندو اور اپنے دھرم کو ہندومت کہتی ہے، اب تک

یہ بتانے سے قاصر ہے کہ آخر یہ نام اور نسبت انہیں کہاں سے ملی، کیوں کہ نہ چاروں ویدوں میں، نہ اپنشد، پران، رامائن یا بھگوت گیتا میں کسی رام، کرشن، منو، شی اور مہارشی نے کبھی انہیں اس نام سے موسوم کیا اور نہ انہیں تلقین کی کہ تمہارا دھرم ہندومت ہے۔ تین ہزار سالہ ہند آریائی تہذیب میں سنسکرت اور پھر پالی زبانوں کا راج رہا۔ سنسکرت دیوتاؤں کی زبان تھی اسی بنا پر ہندوؤں کا تمام مذہبی لٹریچر اسی میں مدوّن ہوا۔ پالی جسے مشرقی ہند (بہار) کی نسبتاً عوامی زبان کہا جاسکتا ہے، اسے بدھ مت نے توقیر بخشی اور بدھ لٹریچر اس میں پایا جاتا ہے۔ ان دونوں قدیم آریائی زبانوں میں ''ہند''، ''ہندو'' یا ''ہندوستان'' نام کے کسی لفظ کا کھوج کوئی بڑے سے بڑا ہندو وِددان نہ لگا سکا ہے اور نہ لگا سکے گا کہ یہ سرے سے مقامی زبانوں کے الفاظ ہیں ہی نہیں۔ سفارت خانۂ پاکستان، قاہرہ سے وابستگی کے دوران مضمون نگار نے بھارتی سفارت خانے کے تحت قائم مولانا آزاد کلچرل سینٹر کے سربراہ کو بطور چیلنج یہ بات کہی تھی۔ یہ صاحب مصری طالبانِ علم کو ہندی بول چال کے نام سے اردو بول چال کا درس دیا کرتے تھے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہندوستان کے لیے لفظ ''بھارت'' سرکاری سطح پر شمالی ہند میں تو مستعمل ہے مگر ملک کے طول و عرض میں آج بھی اسے ''انڈیا'' یا ''ہندوستان'' ہی کہا جاتا ہے۔...........

اب آخر میں لفظ ہند کے لسانی پہلو پر گفتگو ہو جائے۔ المنجد یا کسی بھی مستند عربی قاموس میں جب ہم اس لفظ کی ساخت و پرداخت پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلیتاً عربی زبان کا لفظ ہے۔ ابتداً صحرائی عرب سو یا اس سے اوپر اونٹوں کے گلّہ کے لیے ھــنــد کا لفظ استعمال کرتا تھا۔ یہ گلّہ چھوٹا ہوتا تو اس کی تصغیر هُــنَیــدہ استعمال کی جاتی۔ بعد کے ادوار میں ھند اور ھندہ ہر اس چیز کو کہا جانے لگا جو محبوب اور دل پسند ہو۔ مرورِ ایام سے یہ لفظ عربوں میں بطور خاص خواتین کے نام کے طور پر مقبول ہو گیا۔ ماضی بعید سے آج تک بطور اسم علم ھند، ھندہ اور ھندی اور اس کی تصغیر ھُنیدی عربوں میں قبولیت عام حاصل کر چکے ہیں۔ عرب جہاز رانوں کی جولاں گاہ جب خلیجِ عقبہ کی فلسطینی بندرگاہ ایلہ (موجودہ اسرائیلی ایلات) سے بحر احمر کی ساحلی پٹی عبور کرتے ہوئے عدن اور پھر ساحلِ مکران، مالا بار، سراندیب (حالیہ سری لنکا) اور مشرقِ بعید میں جاوا اور سماٹرا تک وسیع ہوئی تو انہوں نے اس سرزمین کو جہاں سے انہیں گرم مسالے، لوبان اور سب سے بڑھ کر ان کی شہ

زروی کا نشان تلوار حاصل ہوتی تھی ھند کے نام سے یاد کرنا شروع کر دیا۔ مگر چونکہ ھند بجائے خود نہ کسی جغرافیائی وحدت کا نام تھا اور نہ کوئی سیاسی وجود، انہوں نے اس خطے کو "بلاد الھند و السند" کا نام دیا (ملاحظہ ہو بلاذری کی فتوح البلدان)، ھند کی نسبت ان کی محبوب تلوار اور عطریات کی مناسبت سے اور سند دریائے سندھ کا معروف و معلوم حوالہ جس سے وہ زمانہ قدیم سے واقف تھے۔ واضح رہے کہ سندھ مقامی زبان کا ہی لفظ ہے جو دریا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ قاضی نذرالاسلام کا مشہور مرثیہ سیّدنا امام حسین ''بشادھ شندھو'' کے نام سے مشرقی بنگال میں مقبول ہے جس کا لفظی ترجمہ ہے ''خون کا دریا''۔ تلوار صیقل کرنے عمل کو عربی میں تھنید کہتے ہیں۔ اس مصدر سے اس کے اسم مفعول کے ساتھ "السیف المُھنّد" یعنی تیغِ برّاں آج بھی مستعمل ہے۔ اس لئے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچی ہوئی اور نا قابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ ہند اپنے تمام مشتقات (DERIVATIVES) کے ساتھ عربی الاصل ہے۔

علامہ اقبال نے جس ہندوستان کا ترانہ گایا تھا اور جو آج بھی ان کا دوسرا قومی ترانہ ہے، یہ وہی ہندوستان تھا جس کے متعلق علامہ نے بجا طور پر فرمایا ہے کہ ''میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے'' اور جس کے زوال کے بعد پاکستان اس کا حقیقی وارث بن کر ابھرا۔ مگر جیسا کہ عربی مقولہ ہے "کل شیء یرجع الی اصلہ" یعنی ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے تو گمان غالب ہے کہ گم گشتہ جادۂ حق یہ قوم بھی شاید کبھی اپنی اصل کی طرف لوٹ آئے۔ خانوادۂ عامر عثمانی دیوبندی کے فاضل محقق محترم شمس نوید عثمانی اور دیگر اصحابِ علم نے جو گراں قدر علمی تحقیقات بالخصوص رَگ وید کے حوالے سے انجام دی ہیں ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ قوم، نسلاً جن کے ڈانڈے سام بن نوح سے ملتے ہیں اور جس کی کتابوں میں منو جی اور ان کے بلا خیز طوفان کا حوالہ ہے، وہ سیّدنا نوح علیہ السلام ہی کے متوسلین میں سے ہیں کہ سلسلہ کوہ ارارات جس کی ایک چوٹی پر کشتی نوح ٹھہری تھی، یہ اسی کے دامن میں، واقع ایشیائے کوچک سے نکلی تھی۔ جدید تحقیقات کے مطابق رگ وید میں بہت سے ایسے اشلوک ہیں جن کا صحیح تناظر میں ترجمہ کیا جائے تو وہ قرآن وحدیث میں وارد بنیادی آفاقی حقائق کے ترجمان نظر آتے ہیں۔ دراصل کتاب اور معلم کتاب کو الگ کر دیا جائے تو ایک طرف کتاب بے جان الفاظ کا گورکھ دھندا وہ جاتی ہے اور دوسری طرف

معلم کتاب کی حیثیت چیستاں بن جاتی ہے۔ یہ حادثہ یہود ونصاریٰ اور ہندو اقوام کے ساتھ یکساں پیش آیا ہے۔ دین حق کا معاملہ چوں کہ مختلف تھا اور مولائے کائنات نے خود اس کے تحفظ کا ذمہ اپنے اوپر لے لیا ہے اس لیے یہاں ایسی کوشش کبھی کامیاب نہیں ہوسکی۔ دوسری قوموں کی چوں کہ یہ اپنی ذمہ داری تھی اور آخری پیغام اور پیغام رساں نے آنا تھا تو وہ یہ کام نہ کرسکیں۔ بطور مثال سنسکرت کے ایک معروف عام لفظ 'اگرنی'' کو لیجیے جو رگ وید کی رو سے قابل پرستش ہے۔ ہندو قوم نے اس کا مطلب ''اگنی'' سمجھا اور اس کی پرستش شروع کردی مگر تحقیق سے پتا چلا کہ یہ تو ''سب سے آگے'' یا اوّلین ہستی کے معنوں میں آیا ہے یعنی "ھوالاول" تو لفظ و معنی کی دنیا ہی بدل گئی۔

حالیہ برسوں میں الٰہ آباد یونیورسٹی کے ایک ہندو برہمن پروفیسر پنڈت وید پرکاش نے بڑی تحقیق وجستجو سے اس ''کالکی اوتار'' کا پتا لگانے کی کوشش کی ہے جس کی بشارت ویدوں میں تسلسل سے ملتی ہے، بھگوان کا وہ آخری اوتار جو پوری دنیا کو سیدھی راہ دکھائے گا اور جس کا ظہور ''جزیرہ'' سے ہوگا، اس کے باپ اور ماں کا نام، برق رفتار گھوڑے کا ذکر جس پر وہ ساتویں آسمان تک پہنچے گا، جو گھوڑ سواری، تلوار زنی اور تیر اندازی کا ماہر ہوگا اور جسے دل جیتنے کا ہنر آتا ہوگا۔ جب پنڈت وید پرکاش نے اپنی تمام مذہبی کتابوں کو کھنگالا تو اس پر واضح ہوا کہ اللہ کا یہ آخری اوتار تو پیغمبر اسلام کی ذات اقدس ہے (ﷺ)۔ وید پرکاش نے اپنی تحقیق آٹھ دیگر ہندو علماء کے سامنے پیش کی جنہوں نے کتاب میں درج تمام حوالہ جات کو مستند اور درست قرار دیا۔ یہ کتاب اب چھپ چکی ہے اور قارئین کے استفادے کے لئے موجود ہے۔ یہاں ''اوتار'' کے حوالہ سے بالخصوص مسلمانوں میں اشکال پیدا ہوسکتا ہے، کیوں کہ ہندوؤں میں جو اوتار کا تصور ہے اس کی رو سے یہ ان شخصیات کے لیے بولا جاتا ہے جن کے متعلق ان کا خیال ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات اقدس خود ان میں اُتر آئی تھی، یا حلول کرگئی تھی، یعنی رام اور کرشن (عیاذاً باللہ) اللہ تعالیٰ کا جسمانی ظہور تھے۔ مگر ''اگرنی'' کی طرح یہاں بھی اصل حادثہ وہی گم کردگیٔ راہِ حقیقت ہے۔ لفظ اوتار کا اصل مفہوم ہے ''اُتارا ہوا'' یا قرآنی اصطلاح میں ''مُرسَل'' اور اسی طرح ''کالکی اوتار'' کا مطلب نبی آخرالزمان (ﷺ) بنتا ہے۔ ان حقائق وشواہد سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ قوم اپنی اصل کی طرف ان شاء اللہ یقیناً رجوع کرے گی اور اقبال کا ''نغمہ ہندی'' بالآخر ''حجازی لَے'' میں ڈھل کر رہے گا۔

2 اگر اب بھی نہ جاگے تو.....

نتیجۂ فکر :مولانا شمس نوید عثمانی

تحریر: ایس عبداللہ طارق

ہندو قوم قومِ نوح علیہ السلام ہے

ویسے بھی ویدک دھرم دنیا کے تمام مذاہب میں متفقہ طور پر سب سے پرانا مذہب ہے اور حضرت نوح علیہ السلام دنیا کے سب سے پہلے صاحبِ شریعت رسول تھے۔لیکن ابھی یقین کرنے سے پہلے خود ویدک دھرم سے معلوم کرنا بھی ضروری ہے۔ابھی ہم چاہے ہندو قوم کے اس دعوے کو تسلیم نہ کریں کہ وید کلامِ الٰہی ہیں۔لیکن یہ تو دیکھیں کہ یہ کتابیں جن کو ہندو قوم کلامِ الٰہی قرار دیتی ہے اپنا نبی کون سا بتاتی ہیں؟ فرانسیسی مصنف ڈیوبائیس (A.J.A-DUBOIS) جس نے چالیس سال تک ہندو مذہب اور ہندوستانی تہذیب کا مطالعہ کیا اور ہندو مذہبی رسم ورواج پر آج تک کی سب سے مستند اور ضخیم کتاب لکھی اس نے اپنی کتاب میں جو حقیقتیں بیان کی ہیں وہ شاید قارئین کی دلچسپی کا سبب بنے بغیر نہیں رہ سکیں گی:

''.....مختصر یہ کہ ایک مشہور شخصیت جس سے ہندوؤں کو بہت عقیدت ہے اور جسے وہ مہا نوؤ و (MAHANUVU) کے نام سے جانتے ہیں، (سیلاب کی) تباہی سے ایک کشتی کے ذریعہ بچ نکلی جس میں سات مشہور رشی بھی سوار تھے.....مہانوؤ و دو الفاظ کا مرکب ہے۔مہا کے معنی عظیم اور نو وبلا شک وشبہ (حضرت) نوح علیہ السلام ہی ہیں.....''

''.....عملاً یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستان اس سیلاب عظیم کے فوراً بعد آباد ہوا تھا، جس نے پوری دنیا کو ویران کر دیا تھا.....''

''.....مارکنڈیہ پران اور بھاگوت میں اس کا بہت واضح بیان ہے کہ اس حادثہ میں تمام نسل انسانی ختم ہوگئی تھی سوائے سات مشہور عبادت گزار رشیوں کے جن کا میں نے بہت سے مقامات پر ذکر کیا ہے یہ سات رشی ایک کشتی پر بیٹھ کر عالم گیر تباہی

سے بچ سکے تھے۔اس کشتی کو وشنو (خدا) خود چلا رہا تھا۔ایک اور عظیم شخصیت جو بچ جانے والوں میں تھی وہ منو کی تھی۔جس کو میں نے دوسرے مقامات پر ثابت کیا ہے کہ (حضرت) نوح علیہ السلام کے سوا کوئی نہیں تھی..... جہاں تک مجھے علم ہے ان تمام مشرک اقوام میں کسی نے سیلاب کو اتنی تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیا ہے اور اس واقعہ کی تفصیلات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی (تورات میں) بیان کردہ تفصیلات سے کسی قوم کی تحریروں میں اتنی مماثلت نہیں رکھتیں جتنی کہ ان ہندو کتابوں میں ہے جن کا میں نے ذکر کیا ہے۔یہ قابل ذکر بات ہے کہ یہ شہادت ہمیں اس قوم میں ملی ہے جس کے قدیم ہونے پر سب متفق ہیں.....''

(HINDU MANNERS, CUSTOMS AND CEREMONIES ہندو شعائر مراسم ومناسک)

حضرت نوح علیہ السلام اور سیلاب نوح کے واقعات بہت تفصیل کے ساتھ بھوشیہ پران اور متسیّہ پران میں بھی بیان ہوئے ہیں جن کے حوالے ہم آئندہ ابواب میں پیش کریں گے۔

منو کا لفظ بہت سی ہندو مذہبی شخصیات کے لئے استعمال ہوا ہے۔لیکن پرانوں، ویدوں اور دیگر ہندو مذہبی کتب میں سب سے زیادہ تفصیل سے جس منو کا تذکرہ ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام ہی ہیں۔

ویدوں میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر منو کے نام سے 75 مقامات پر آیا ہے۔ویدوں کا انگریز مفسر وید کے ایک منتر میں آنے والے لفظ منو کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''منو (نوح علیہ السلام) لاجواب شخصیت اور انسانوں کے نمائندے تھے، تمام نسل انسانی کے باپ (سیلاب کے بعد آدم ثانی کی حیثیت سے) اور پہلی شریعت کے شروع کرنے والے تھے۔'' (صفحہ 32-34)

حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ شری لنکا میں کوہ سراندیپ پر ایک بڑے پاؤں کا نشان موجود ہے جسے بہت سے مذاہب کے پیرو مقدس مانتے ہیں۔مسلمان اور عیسائی اسے حضرت آدم علیہ السلام کے پاؤں کا نشان بتاتے ہیں، بودھ مذہب کے پیرو اسے گوتم بدھ کے پاؤں کا نشان

کہتے ہیں اور ہندو اسے شیو جی کے پیر کا نشان مانتے ہیں۔ یہ عجیب وغریب روایات بالکل بے بنیاد بھی نہیں ہیں ان کی کڑیاں ہمیں عربوں کی تاریخ میں بھی ملتی ہیں۔

''اہل عرب کا دعویٰ یہ ہے کہ ہندوستان سے ان کا تعلق صرف چند ہزار برس کا نہیں بلکہ پیدائش کے شروع سے یہ ملک ان کا پدری وطن ہے۔ حدیثوں وتفسیروں میں جہاں حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ متعدد روایتوں سے یہ بیان آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب آسمان کی جنت سے نکالے گئے تو وہ اسی زمین کی جنت میں جس کا نام ہندوستان جنت نشان ہے، اتارے گئے۔ سراندیپ (لنکا) میں انہوں نے پہلا قدم رکھا جس کا نشان اس کے ایک پہاڑ پر موجود ہے۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور حاکم میں ہے کہ ہندوستان کی اس سرزمین کا نام میں حضرت آدم علیہ السلام اُترے دجنا ہے۔ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ دجما، دکھنا یا دکھن ہے جو ہندوستان کے جنوبی حصے کا مشہور نام ہے؟'' (ہند عرب کے تعلقات۔ از سیّد سلیمان ندوی)

اب ایک ثبوت تفسیر کی کتابوں سے بھی ملاحظہ فرمائیں:

''ابن عباس نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کا تنور ہند میں تھا'' (تفسیر فتح الباری، شوکانی)

واضح رہے کہ قرآن، انجیل اور توریت کی روشنی مفسرین کو ابھی تک نہیں مل سکی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام دنیا کے کس خطے میں اُتارے گئے مندرجہ بالا روایات اور شری لنکا میں پاؤں کا کے نشان سے یہ اشارات ملے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی بعثت اس سرزمین میں ہوسکتی ہے۔ حالانکہ یہ روایات ضعیف قرار دی جاتی ہیں لیکن یہ بات ضرور قابل غور ہے کہ دنیا کے کسی اور خطے کے بارے میں ایسا دعویٰ ہونے کی روایات بھی ہمیں نہیں ملتیں۔

حضرت نوح علیہ السلام ہندوستان میں

قرآن سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر رُکی تھی جو کہ عراق کے علاقے کردستان میں ہے۔ بائبل سے پتہ چلتا ہے کہ کوہ ارارات پر ان کی کشتی ٹھہری تھی۔ (جودی پہاڑ کوہ ارارات کے سلسلے کی ہی ایک چوٹی ہے) لیکن آج تک مفسرین نے یہ نہیں بتایا کہ کشتی کے رکنے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا خطۂ تبلیغ دنیا کے

کون کون سے علاقے رہے اور یہ بھی پتہ نہیں چل سکا کہ طوفان نوح علیہ السلام سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام چھ سو سال تک کہاں رہے۔ توریت سے صرف اتنا معلوم ہوتا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھی طوفان کے بعد بابل میں اکٹھا ہوئے اور وہاں سے پوری روئے زمین پر پھیلے۔

''اس لیے اس کا نام بابل ہے کیونکہ خداوند نے وہاں پر تمام اہل زمین کی زبانوں کو خلط ملط کر دیا تھا اور وہاں سے ان (حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں) کو خدا نے تمام روئے زمین پر پھیلایا'' (توریت کتاب پیدائش: 11-9)

قرآن یہ بتاتا ہے کہ تنور سے پانی ابلنا شروع ہوا (تھا) اور یہاں سے طوفان کی ابتدا ہوئی تھی۔

ترجمہ: یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور سے پانی ابلنا شروع ہوا (تو) ہم نے کہا اس (کشتی) میں ہر قسم کے جوڑوں میں سے دو کو چڑھا لو.....'' (ہود: 40)

لفظ تنور عربی زبان کا لفظ نہیں ہے فارسی میں اس کے معنی روٹی پکائے جانے والے تنور کے ہیں۔ بیشتر مفسرین نے اس لفظ کو انہیں معنوں میں استعمال کیا ہے اور کچھ نے تنور سے مراد سطح زمین لیا ہے۔ یعنی سطح زمین سے پانی ابلنا شروع ہوا لیکن لفظ تنور سے پہلے قرآن میں الف لام استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے کوئی مخصوص تنور۔ اس سلسلے میں علماء کی تشریح دیکھئے:

''اور اگر یہ کہا جائے کہ الف لام التنور میں ہے.....اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بعید نہیں کہ نوح علیہ السلام کو وہ تنور معلوم ہو۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ وہ تنور پتھر کا تھا اور حضرت حوا علیہا السلام اس میں روٹیاں پکاتی تھیں پھر وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آ گیا تھا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ جب تم دیکھو کہ تنور سے پانی اُبل رہا ہے تو اپنے ساتھیوں کو لے کر کشتی میں سوار ہو جانا'' (لباب التاویل)

''یہ تنور حضرت آدم علیہ السلام کا تھا'' یہ بات مولانا نعیم صاحب مراد آبادی نے بھی اپنی تفسیر میں لکھی ہے۔ پہلے ہم تفسیر فتح القدیر سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کر ہی چکے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا تنور ہند میں تھا۔ آیئے اب ایک اور رخ سے دیکھیں:

لفظ تنور بہت سے اقوال اکٹھا کرتے ہوئے علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''.....آٹھواں قول یہ ہے کہ وہ ایک مقام ہے جو ہند میں ہے.....''

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ جب ہم نے ہندوستانی ریلوے ٹائم ٹیبل میں تلاش کیا تو ہمیں تنور (TANUR) نام کا ایک مقام صوبہ کیرالہ میں ملا اور نقشہ میں تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ کیرالہ کے ملاپورم (MALAPPURAM) ضلع میں ساحل سمندر پر تنور واقع ہے۔ یہ ہندوستان کے مغربی ساحل پر ہے جو بحیرہ عرب کے ذریعہ عرب سے جدا ہوتا ہے۔ روایات کی روشنی میں کیا یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ وہی مقام ہے جہاں سے سیلابِ نوح علیہ السلام کے شروع ہونے کا ذکر قرآن نے کیا ہے؟ اس سے دوسرے تمام اقوال کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ یعنی ساحل سمندر پر جو مقام تنور ہے وہاں سطح زمین سے پانی اُبلنا شروع ہوا تھا اور یہی مقام حضرت آدم علیہ السلام کا تنور کہلاتا تھا۔

یہ نظر میں رہے کہ ہندوستانی قوم سے حضرت نوح علیہ السلام کا زبردست تعلق بحیثیت 'منو' کے ہم پچھلے صفحات میں پورے وثوق کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں۔ پیچھے بیان کردہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے کہ ''جب تم دیکھو کہ تنور سے پانی ابل رہا ہے تو اپنے ساتھیوں کو لے کر کشتی میں سوار ہو جانا'' اور ان دوسری تمام روایات سے جن میں کہا گیا ہے کہ یہ تنور حضرت آدم علیہ السلام کا تھا اور ہند میں تھا یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام طوفانِ نوح سے قبل ہندوستان میں تھے۔ اب طوفان کے بعد پر غور کریں۔

نرسنگھ اگروال نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ آرین قوم ہندوستان میں منو (حضرت نوح علیہ السلام) کے ساتھ آئی۔

''آرین جن کو ہندوستان میں فادر منو لے کر آئے بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے۔''

(THE HINDU MUSLIM QUESTION)

''گجرات کے ایک قانون داں اور محقق ایم زماں کھوکھر انے برسوں کی تحقیق کے بعد انکشاف کیا ہے کہ آدم ثانی خاک گجرات میں محو استراحت ہیں۔ ان کے دعوے کی بنیاد دو سو چالیس فٹ چوڑا ایک قدیم ترین مزار ہے جو گجرات کے اسی تاریخی شہر سے پچیس میل دور موضع بڑیلہ شریف کے نواح میں صدیوں سے مرجع خلائق ہے۔ گاؤں سے تقریباً ایک فرلانگ جنوب

میں گھنی جھاڑیوں اور سایہ دار درختوں سے ڈھکی ہوئی اس نوگزی قبر کے بارے میں عام تأثر ہے کہ یہاں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یا پوتے حضرت قیط علیہ السلام کا مدفن ہے۔ لیکن ایم۔ زماں کھوکھر انے علم کشف القبور کے دو علماء..... کی روایت سے ثابت کیا ہے کہ یہ قیط نہیں بلکہ خود حضرت نوح علیہ السلام ہیں.....''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہندوستان کی جین قوم کی روایات میں یہ ملتا ہے کہ وہ ہندوستان تشریف لائے تھے۔

اگر چہ حضرت آدم علیہ السلام و نوح علیہ السلام کے ضمن میں بیان کردہ روایات کے مقابلے میں مندرجہ بالا روایات کی حیثیت اور زیادہ کمزور ہے لیکن پھر بھی کیونکہ روایات موجود ہیں اس لیے ہم نے مختصراً بیان کر دیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہندوستان میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہندوستان میں آمد کے بارے میں کشمیر اور لداخ میں بہت سی روایتیں مشہور ہیں روسی اور انگریزی محققین نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ ذیل میں ہم ہندی زبان کے مشہور رسالے کادمبنی (مارچ 73ء) میں چھپے اچاریہ رجنیش کے ایک مضمون 'عیسیٰ علیہ السلام کی نامعلوم زندگی'..... سے کچھ اقتباسات نقل کر رہے ہیں۔ (تراجم ہندی سے اردو)

''..... ہندوستان کے پاس یہ یقین کرنے کے کئی ثبوت ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کشمیر میں ایک بدھ مٹھ میں ٹھہرے رہے۔ کشمیر میں کہانیاں مشہور ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام وہاں تھے..... مراقبے میں غرق تھے پھر وہ یروشلم میں ظاہر ہوئے۔ اس وقت وہ تیس سال کے تھے.....''

ایک فرانسیسی مصنف اپنی کتاب ''جنت کا سانپ'' (THE SERPENT OF PARADISE) میں کہتا ہے:..... ''کوئی نہیں جانتا کہ تیس سال کے ہونے تک انہوں نے کیا کیا اور کہاں رہے۔ ایک روایت کے مطابق وہ کاشیر میں رہے تھے۔''

''..... روسی سیاح نکولاس فیر ووچ جو کہ قریب 1887ء کے آس پاس ہندوستان آیا تھا، لداخ گیا۔ وہاں وہ بیمار پڑ گیا اور مشہور ہمیس گپھا میں رہا۔ گپھا میں اپنے قیام کے دوران وہ متعدد بدھ گرنتھ پڑھ گیا۔ اس نے ان بدھ گرنتھوں میں عیسیٰ علیہ السلام کا ان کی تعلیمات اور ان کے لداخ کے

سفر وغیرہ کے بارے میں کافی بیان پایا۔ بعد میں اس نے ایک کتاب شائع کی۔ اس میں عیسیٰ علیہ السلام کے لداخ اور مشرق کے دوسرے ممالک کے سفر کے متعلق بیانوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ لداخ میں عیسیٰ علیہ السلام اونچے پہاڑ کے دروں میں سے گزر کر برفیلے راستوں و پنڈوں کو پار کرتے ہوئے کشمیر میں پہلگام پہنچ گئے۔ وہ پہلگام (گدڑیہ کا گاؤں) میں کافی لمبے عرصے اپنی بھیڑ بکریوں کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ یہاں عیسیٰ علیہ السلام کو اسرائیل کی کچھ کھوئی ہوئی قوموں کے نشانات ملے۔ ایسا بیان ملتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے قیام کے بعد سے ہی یہ گاؤں پہلگام کے نام سے پکارا گیا۔ 'پہل' کا کشمیری زبان میں مطلب ہے 'گدڑیہ' اور 'گام' کا مطلب 'گاؤں'۔ بعد میں سری نگر جاتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام آرام کے لیے رکے اور اسمکم مقام پر انہوں نے اپدیش دیے۔ یہ گاؤں بھی اسمکم .....(عیسیٰ علیہ السلام کے آرام کی جگہ) نام سے ان کے پیچھے ہی پکارا جانے لگا۔''

اسی ہندی رسالے کا دسمبر 1978ء کے شمارے میں شانتی کنج ہری دوار کا ایک مضمون ''تبتی لاما کی قربت میں عیسیٰ علیہ السلام'' .....کے عنوان سے چھپا ہے۔ اس کے اقتباسات بھی ہم نقل کر رہے ہیں۔ (تراجم ہندی اردو)

''یہ تیس سال عیسیٰ علیہ السلام نے کہاں اور کس طرح گذارے یہ جاننے کے لئے عالموں نے کافی ریسرچ کی ہے۔ ریسرچ اسکالروں میں سے سب سے آگے ہیں روسی عالم نوروویچ۔ جنہوں نے لگاتار چالیس سال تک مختلف ملکوں کا سفر کر کے ریسرچ کی اور اپنے نتائج کو 1898ء میں ''عیسیٰ علیہ السلام کی نامعلوم زندگی'' (UNKNOWN LIFE OF JESUS) نامی کتاب کی شکل میں شائع کرایا۔ نکولس نوروویچ اپنے تحقیقاتی سفر کے دوران تبت بھی گئے اور انہوں نے تبت کے ہنموس بودھ وہار میں تاڑ کے پتوں پر لکھا ہوا ایک قدیمی گرنتھ دیکھا۔ نوووچ نے اس بودھ وہار میں گذارے عرصے کا بیان اس طرح لکھا ہے: ____ ''میں جب ایک گپھا میں گیا تب وہاں ایک لاما نے مجھے ایک ایسے پیغمبر کے بارے میں بتایا جسے وہ بدھ کا ہی ایک روپ مانتا تھا۔ لاما نے اس پیغمبر کا نام عیسیٰ علیہ السلام بتایا اور کہا کہ ہم لوگ عیسیٰ علیہ السلام کا نام بڑی عزت کے ساتھ لیتے ہیں۔ ان کے بارے میں ہمیں زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ لیکن بڑے لاما کے پاس ایک قدیمی گرنتھ ہے جس میں عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے کسی طرح نوروویچ نے وہ قدیمی گرنتھ

دیکھنے اور اس کی تصویر اتارنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ اس گرنتھ میں 14 باب اور 244 اشلوک ہیں، گرنتھ میں عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو بیان ملتا ہے وہ اس طرح ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام گیان حاصل کرنے کی غرض سے ہندوستان آئے۔ ان دنوں یروشلم کے سوداگروں کے قافلے تجارت کے لئے یہاں آیا کرتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ سندھ ہوتے ہوئے ہندوستان آئے تھے..... عیسیٰ علیہ السلام سب ہی انسانوں سے محبت کرتے تھے اور انہیں بھی وَیش شودر سبھی پیار کرتے تھے۔ ان دنوں وہ جگن ناتھ پوری میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ جگن ناتھ مندر کے پجاریوں کو یہ پتہ چلا کہ عیسیٰ علیہ السلام شودروں سے بھی ملتے ہیں تو وہ ان سے ناراض رہنے لگے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو جب پجاریوں کی ناراضگی کا پتہ چلا تو وہ جگن ناتھ مندر چھوڑ کر راج گرہ چلے گئے..... چھ سال وہاں رہے اس کے بعد نپال ہوتے ہوئے تبت پہنچے۔ سولہ سال تک اس طرح سفر کرتے ہوئے ایران کے راستے سے اپنے وطن لوٹ گئے۔ تبت کے سفر کے دوران انہوں نے چند سال ہنموس بودھ وہار میں لاما کے ساتھ بھی گذارے تھے.....''

''انجیل میں بھی ایسا بیان ملتا ہے کہ بیت لحم میں جب عیسیٰ علیہ السلام کا جنم ہوا تب مشرق کے کوئی گیانی پرش ان کا درشن کرنے کے لئے بیت لحم آئے۔ آرتھرمل نے اس گیانی پرش کو بدھ سنیاسی بتایا ہے۔''

''کرائسٹ اِن کشمیر میں عزیز قریشی نے لکھا ہے کہ ان دنوں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد ہندوستان میں آ کر بس گئی تھی۔ جن کے نشانات ابھی بھی یہاں پائے جاتے ہیں۔ کشمیر کے گوجر لوگ اپنے کو اسرائین قبیلے کا بتاتے ہیں ان کے نام اب بھی یہودی ڈھنگ کے ہوتے ہیں۔ وہ عبرانی سے ملتی جلتی زبان بولتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہودیوں میں بھی عبرانی زبان چلتی ہے۔ ان کے گھروں کے نام بھی یہودیوں جیسے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام خود بھی یہودی خاندان میں پیدا ہوئے تھے اور ان دنوں ہندوستان میں آنے والے یہودی تاجروں کے ساتھ یہاں آ گئے تھے.....

''ورائی سوامی آئنگر کے لکھے ہوئے LONG MISSING LINKS & DISCOVERIES ABOUT ARYANS اور ''عیسیٰ علیہ السلام مسیح اور خدا'' کے بغیر بات ادھوری رہے گی۔ آئنگر نے اس کتاب میں جیمس کی لکھی ہوئی کتاب سے بطور ثبوت کئی تصویریں دی ہیں..... کتنی ہی تصویریں ہیں جن میں ہندوستانی تہذیب کی چھاپ ہے.....''

''.....بھوشیہ پران ..... کے پرسنگ 3 ادھیائے 22 کے 21 سے 26 اشلوک تک ہمالیہ پر عیسیٰ علیہ السلام سے شکادیش کی ملاقات کا بیان اس طرح ملتا ہے۔ ایک بار شکادیش ہمالیہ سے آگے ہوڑ.....دیش گئے وہاں انہوں نے ایک سفید پوش گورے رنگ کے سنت کو پہاڑوں میں گھومتے ہوئے دیکھا۔ شکادیش نے ان سے تعارف چاہا تو سنت نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام میرا نام ہے۔ میں نے کنواری ماں کے پیٹ سے جنم لیا ہے اور میں غیر ملک سے آیا ہوں مجھے مسیح کہا جاتا ہے۔.....''

مندرجہ بالا مضمون میں اس کے علاوہ رمیش چندردت کی کتاب ''قدیم ہندوستان میں تہذیب کی تاریخ'' (HISTORY OF CIVILISATION IN ANCIENT INDIA) اور ڈاکٹر اسپنسر کی ''عیسیٰ علیہ السلام کی پوشیدہ زندگی (MYSTIC LIFE OF JESUS) کے حوالے سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہندوستان آنا ثابت کیا گیا ہے۔

یہ تھیں ہندوستانی انگریزوں اور ایک روسی تحقیقات۔ انہیں آپ مانیں یا نہ مانیں (حالانکہ نہ ماننے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے) اب آیئے دیکھیں نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہندوستان سے تعلق کی روایات۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہندوستان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ جو 9ھ میں مسلمان ہوئے ان کے بارے میں ایک چلتی ہوئی روایت ہے کہ وہ جنوبی ہند میں تبلیغ اسلام کے لئے تشریف لائے تھے اور یہیں انتقال فرمایا اور نواحی مدراس میں ان کی قبر موجود ہے۔

''طبقات ابن سعد، سیرت ابن ہشام اور تاریخ طبری وغیرہ میں ہے کہ سن 10ھ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نجران سے بنو حارث کا ایک وفد لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکان وفد کو دیکھ کر فرمایا۔ ''یہ کون لوگ ہیں جو گویا ہندوستان کے آدمی ہیں۔''

مندرجہ بالا روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہندوستانیوں کو اتنی اچھی طرح جانتے تھے کہ غیر معروف لوگوں کا حلیہ بیان کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوستانیوں کی مثال دی۔ ذیل میں دو روایتیں ہم اور نقل کر رہے ہیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہندوستانیوں سے واقف

ہونا ثابت ہوتا ہے۔

یوں تو عہد رسالت میں ہندوستان کی مختلف قومیں دیار عرب میں موجود تھیں مگران میں سے زط (جاٹ) اور سیابجہ بڑی تعداد میں عرب مشرقی سواحل اور ان سے متصل آبادیوں میں رہتے تھے اور پورے عرب کے لوگ ان سے اچھی طرح واقف تھے۔خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو جانتے اور پہچانتے تھے۔ چنانچہ جامع ترمذی کے ابواب الامثال میں ..... حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں کچھ لوگ میرے قریب آئے۔ وہ اپنے جسم اور بال میں جاٹوں کے مشابہ تھے۔''

یہاں تک تو ہم نے وہ روایات پیش کی ہیں جن میں ہندوستانیوں سے آپ ﷺ کی واقفیت کا ذکر ہے لیکن بات صرف واقفیت تک ہی کی نہیں ہے بلکہ خصوصی تعلق، محبت اور لگاؤ آپ ﷺ کو اس ملک سے تھا، ملاحظہ فرمائیں:

''عربوں کو ہندوستان سے ہمیشہ لگاؤ رہا ہے..... عربوں کا خیال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں دجنا کے مقام پر اتارے گئے جو ہندوستان میں واقع ہے۔ نورِ محمدی ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں امانت تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا ابتدائی ظہور اس سرزمین میں ہوا۔''

''.....اسی مناسبت سے عربوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے ہندوستان کی طرف سے ربانی خوشبو آتی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا کہ سب سے پاکیزہ اور خوشبودار مقام ہندوستان ہے۔''

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ رسول اکرم ﷺ نے ہندوستان میں غزوہ کی بھی خوشخبری سنائی ہے۔ ایسا غزوہ جس میں صرف شرکت ہی کر لینے پر دوزخ کی آگ سے حفاظت کی بشارت ہے۔ امام نسائی نے سنن میں باب غزوہ الہند کے تحت اور امام طبرانی نے معجم میں سند جید کے ساتھ حضرت ثوبان مولیٰ رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ سے روایت نقل کی ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے نارِ جہنم سے محفوظ رکھا ایک وہ گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا اور دوسرا گروہ جو

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہے گا۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوستان میں غزوہ کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگر میں اس میں شریک ہوا تو اس میں اپنی جان و مال خرچ کروں گا، اگر مارا گیا تو بہترین شہید ہوں گا اور اگر زندہ واپس ہوا تو جہنم سے آزاد ابو ہریرہ ہوں گا۔''

اللہ ہمیں بھی غزوہ ہند کے لیے قبول فرمائے۔ آمین (صفحہ نمبر 51-64)

یہ راز ___ راز کیوں رہے؟

ہندوؤں میں چلے آ رہے چند سربستہ راز

ہم اپنے آپ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو کہتے ہیں۔ ہم دنیا سے جہالت کے اندھیرے کو دور کرنے کے لیے اٹھے تھے ہم نے اس زمین پر خدا کی بادشاہت قائم کرنے کا عزم کیا تھا۔ ذرا سوچیے کیا ہم اب بھی اس منصب کے اہل ہیں؟ لاعلمی کے اندھیرے کو دور کرنے کے دعوے دار خود کتنی عظیم مجرمانہ لاعلمی کا شکار ہیں؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ ہم جو کچھ بہت بڑی تحقیق کی شکل میں آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں (اور ممکن ہے کہ آپ کو یقین کرنے میں بڑی دقت پیش آ رہی ہو) ان تمام حقیقتوں سے ہندو خواص خوب اچھی طرح واقف ہیں۔

☆ ہندو اس بات سے واقف ہیں کہ ان کا سب سے بڑا تیرتھ (اسے یہ آدِپشکر تیرتھ کہتے ہیں) مکہ میں ہے ان کا اصلی شیولنگ مسلمانوں حجر اسود ہے۔ (شیولنگ کسی گندی چیز کا نام نہیں ہے۔ شیونگ کے معنی خدا اور لنگ کے معنی نشان یعنی خدا کی نشانی)۔

☆ یہ بات بھی ہندوؤں میں مسلمانوں سے راز میں رکھی گئی کہ جان کنی کے وقت نزع کی تکلیف سے بچانے کے لیے مرنے والے کے کان میں ''ان کہی'' کی سرگوشی کی جاتی تھی۔ ''بیان کیا جاتا ہے کہ پرانے زمانے میں ہندو حضرات پر جب نزع کا عالم طاری ہوتا تھا تو انہیں پلنگ سے اٹھا کر زمین پر لٹا دیا جاتا تھا..... اور نزع کی تکالیف سے بچانے کے لئے چپکے چپکے مرنے والے کے کان میں 'ان کہی' کہی جاتی تھی مگر اس 'ان کہی' کے الفاظ عام ہندوؤں کو معلوم نہ تھے۔ لیکن اکبر اعظم کے عہد میں ایک برہمن نے الفاظ بنا دیے تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ الفاظ

اتھر وو ید میں موجود ہیں۔ چنانچہ دبستان المذاہب مطبوعہ نول کشور پریس میں بھی موجود ہے۔

لا اِلٰہ ہَرنی پاپن اِلا لمبا پرم پدم
جنم بیکنٹھ پر اب ہوتی تو جپے نام محمدم

ترجمہ: ''لا الٰہ کہنے سے پاپ مٹ جاتے ہیں۔ اِلا اللہ کہنے سے پرم پدی (امامت عالم) مل جاتی ہے۔ اگر ہمیشہ کی بہشت چاہتے ہو تو محمد ﷺ کا نام جپا کر۔''

یہ ہے اَن کہی کا مفہوم جو مرتے وقت کسی زمانے میں عالم نزع میں مرنے والوں کے کان میں کہی جاتی تھی۔

ترجمہ کرنے والوں نے اس 'اَن کہی' کے ترجمے میں حضور ﷺ کے دوسرے دور اور مقام محمود کا راز نہ جاننے کی وجہ سے حالانکہ تھوڑی سی تبدیلی کر لی ہے لیکن پھر بھی ملتا جلتا مفہوم سامنے آ گیا ہے۔ آئندہ کسی موقع پر اس منتر کی اصل اہمیت ہم بیان کریں گے۔

☆ ہندو خواص کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ ایک دن پوری ہندو قوم قرآن پر ایمان لائے گی۔ لیکن یہ بھی ان رازووں میں سے ہے جنہیں ہندو عوام سے اور بالخصوص مسلمانوں سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ ڈیوبائس لکھتا ہے:

☆ جب برہمن اپنے بچوں کو اپنا وارث بناتے ہیں تو بچے کو اس طرح بٹھاتے ہیں کہ اس کا منھ مشرق کی طرف ہو اور خود مغرب کی طرف منھ کر کے اپنے بچے کے کان میں سرگوشی کرتے ہیں۔ ''اے بیٹے یاد رکھنا خدا ایک ہے۔ وہی پیدا کرنے والا ہے، پالنے والا اور بچانیوالا ہے اور ہر برہمن کو خفیہ طریقے سے اسی کی عبادت کرنی چاہئے۔ لیکن یہ بھی جان لو کہ یہ ایک ایسا راز ہے جو اگر تم نے لوگوں کے سامنے بیان کر دیا تو تمہاری خوش قسمتی کے دن ختم ہو جائیں گے۔''

☆ سیلاب والے منو کو حضرت نوح علیہ السلام کی حیثیت سے ہندو اتنی اچھی طرح جانتے ہیں کہ قصے کہانیوں میں بچوں کو سناتے ہیں۔ مثلاً رسالہ ''ٹنکل'' کا اداریہ پڑھیں۔

''میرے ننھے منے دوستو: ایک بار پرلینکاری (قیامت خیز) باڑھ آئی۔ ساری پرتھوی ڈوب گئی۔ یہ کتھا کئی لوگوں نے کئی طرح سے کہی ہے۔ ویدوں اور متسیہ پران میں بھی اس کا ورڑن (بیان) ملتا ہے۔ اس باڑھ کی کتھا بائبل میں بھی ہے۔ ایشور نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا ایک بڑا

جہاز بنا کر اس میں اپنے پریوار کے سدسیوں (افراد) کے علاوہ دو دو ہر پرانی (جاندار) کو چڑھا لو۔ نوح علیہ السلام نے ویسا ہی کیا۔ اس کے بعد چالیس دن تک لگاتار بارش رات دن ہوتی رہی۔ صرف حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے جہاز میں سوار پرانی (جاندار) ہی بچے۔ اس انک (شمارے) میں حضرت نوح علیہ السلام اور باڑھ پر آدھارِت (مبنی) ایک روچک (دلچسپ) کتھا پرست (حاضر) ہے۔ کیسی لگی تمہیں؟ اسنیہہ (پیار)

تمہارا آنند چاچا۔''

مندرجہ بالا عبارت میں نوح علیہ السلام سے پہلے حضرت کا لفظ بتا رہا ہے کہ لکھنے والے حضرت نوح علیہ السلام کو مسلمانوں کے پیغمبر کی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن پھر بھی انہوں نے بچوں کے سامنے بائبل کا ذکر کی اور مسلمانوں و قرآن کا ذکر نہیں کیا۔

☆ اس بات کے ثبوت موجود ہیں کہ چند ہندو علماء ایودھیا کی اصل حقیقت سے واقف ہیں اور دیگر ہندو خواص کے سامنے انہوں نے اسے اس حیثیت سے پیش کیا ہے کہ ان کی اصل ایودھیا پر مسلمانوں کا قبضہ ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی نگاہیں ایودھیا کی بابری مسجد کی بازیابی کی تحریک سے آگے نہیں ہیں۔ لیکن چند ہندو خواص کے سینوں میں یہ آرزو پل رہی ہے کہ انہیں اپنی اصل ایودھیا کو ایک دن مسلمانوں کے قبضہ سے آزاد کرانا ہے۔ یہ ان کے سینوں میں چھپا ایک انتہائی خفیہ راز ہے جو چند لوگوں کی زبان پر بھی آیا ہے۔

ساجد رشید کو انٹرویو دیتے ہوئے شیوسینا کے چیف بال ٹھاکرے صاحب کی زبان پر یہ خواہش ایک مرتبہ آئی لیکن پھر وہ الفاظ کو دبا گئے اور ساجد صاحب نے بھی آگے نہیں کریدا۔ ایک سوال کے جواب میں بال ٹھاکرے صاحب نے کہا تھا:

''دیکھئے آپ اتنا پیچھے مت جایئے۔ ابھی کی بات کیجئے تاریخ میں بہت پیچھے جائیں گے تو میں آپ کو ایسی بہت سی مسجدیں بتا سکتا ہوں جو پہلے مندر تھے جن کے نشانات ابھی بھی باقی ہیں۔ کیا آپ انہیں ہندوؤں کو دینے کو تیار ہیں۔ میں کہنا تو نہیں چاہتا اور نہ میں کوئی ادھیکار جتا رہا ہوں۔ آپ کی بات پر کہہ رہا ہوں۔ اگر آپ بہت پیچھے جائیں گے تو آپ کا جو مکہ ہے اس میں پہلے بت تھے۔ اب اگر ہم کہیں کہ یہاں پہلے ہمارے لوگوں کے بت تھے اس لیے یہ ہم کو دو تو

کیا آپ اس بات کو مانیں گے۔ میں کہتا ہوں آج کی بات کرو، پرانی بات چھوڑو۔''

اس طرح کی بہت سی اور بھی مثالیں موجود ہیں۔ ہم بہت خوشی اور فخر کے ساتھ ان کو ان کا یہ پرانا معبد واپس کریں گے لیکن اسی وقت جب وہ ویدوں اور قرآن واحادیث کی پیشین گوئی کے مطابق اپنا کھویا ہوا اصل دین پا چکے ہوں گے۔

ویدوں کے کچھ دیگر احکامات

جوئے کی ممانعت: ''جوا کھیلنے والے شخص کی سانس اسے کوستی ہے اور اس کی بیوی بھی اسے چھوڑ دیتی ہے جواری کو کوئی ایک پھوٹی کوڑی بھی ادھار نہیں دیتا۔''

اس کے بعد لگاتار تیسرے منتر سے تیرھویں منتر تک جوئے کے ذاتی اور سماجی نقصانات گنا کر تیرھویں منتر میں کہا گیا.....

''اے جواری جوا کھیلنا چھوڑ کر کھیتی کر۔ اس میں جو نفع ہو اسی میں مطمئن رہو۔''

شراب کی ممانعت: ''شراب پینے کے بعد اس کا نشہ شراب پینے والے کے دل میں اپنی جگہ بنانے کے لئے جنگ کرتا ہے.....''

''اے خدا ریاضیت نہ کرنے والے انسان شراب پی کر بدمست ہو جاتے ہیں اور وہ تمہیں تکلیف پہنچانے کی طرف مائل ہوتے ہیں اس لئے تم ایسے لوگوں کو دولت ہونے پر بھی اپنا سہارا نہیں دیتے۔''

سود کی ممانعت: ''زیادہ دھن حاصل کرنے کی امید سے دھن دینے والوں کے دھن کو (اے ایشور) تم چھین لیتے ہو''

شادی کے رسومات میں آسانی کا حکم: ''جن راستوں سے ہمارے دوست رشتے دار لڑکی کے والد کے پاس پہنچتے ہیں، ان راستوں کو کانٹوں سے صاف اور آسان کرو۔''

مرد کو عورت کے کپڑے پہننے کی ممانعت: ''اگر شوہر بیوی کے کپڑے پہنے تو اس پر جادوئی طاقتوں کا عذاب ہوتا ہے۔''

عورت کی گھریلو زندگی کے حکم: ''وہاں تم سب سے اچھی گھر والی بنو اور شوہر کے گھر میں رہتے ہوئے گھر کے ملازمین پر راج کرو۔ اے عورت شوہر کے گھر میں ماں بن کر سکھ پاؤ۔ شہر سے

محبت کے رشتے قائم کرواور بڑھاپے کی عمر تک اپنے گھر میں راج کرو۔''

عورت کی حیا کے احکامات: ''چونکہ برہم نے تمہیں عورت بنایا ہے اس لیے نظریں نیچی رکھواوپر نہیں۔اپنے پیروں کو سمیٹے ہوئے رکھو۔ایسا لباس پہنو کہ کوئی تمہارا جسم دیکھ نہ سکے۔

(صفحہ 149-150)

---

3 تاریخ کا مطالعہ

تصنیف: غلام باری

تاریخ کیا ہے؟

تاریخ کے متعلق یہ نظریہ کہ وہ ایک سائنس ہے حال ہی میں پیدا ہوا ہے لیکن تاریخ کا یہ تصور کہ وہ گذرے ہوئے واقعات کا ایک ریکارڈ ہے اتنا ہی پرانا ہے جتنا فن تحریر۔تاریخ نکتہ چینی کا علم ہے ایسی نکتہ چینی جو ہمیں اسی قابل بنا دے کہ ہم یہ کہہ سکیں کہ مخصوص حالات میں یکساں حوادث ایک ہی طرح اثر پذیر ہوتے ہیں۔فرعونوں کے مصر اور بوربونوں کے فرانس میں ہزاروں سال حائل ہیں لیکن ایک مؤرخ کے نزدیک مصر اور فرانس کے جاگیری نظاموں نے دونوں ملکوں میں یکساں نتائج پیدا کیے۔ جہاں وقائع نگار کو حوادث کے اسباب و نتائج سے کوئی سروکار نہیں ہوتا وہاں مؤرخ ایک مخصوص دور کے واقعات کے اسباب و اثرات پیش کرتا ہے،مؤرخ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ وقائع نگار بھی ہو،لیکن وقائع نگاروں کی تحریروں کے بغیر وہ اپنا تجزیہ پیش نہیں کرسکتا۔سوانح نگار جہاں بڑے آدمیوں کی کامرانیوں کو پیش کرتا ہے وہاں مؤرخ ان بڑے آدمیوں کے کارناموں کے اسباب و نتائج پر بحث کرتا ہے۔ لیونا ڈولف کے الفاظ میں ''بہت سے لوگ جن میں بعض مشہور مؤرخ بھی شامل ہیں نوعِ انسانی کے ماضی میں صرف بعض افراد پر اپنی دلچسپی کو مرتکز کر دیتے ہیں۔ان کے نزدیک یونان کی تاریخ عبارت ہے پرکلیز کی تقریروں،سقراط کی سیرت اور سکندر کی رومان پسندی سے۔ یہ لوگ جب کبھی ''تاریخ'' لکھتے ہیں تو ان کے سامنے نوعِ انسانی کی

اجتماعی صورت نہیں ہوتی بلکہ ان کی دلچسپی انسانی دل کے اسرار سے ہوتی ہے۔ یہ لوگ جب کبھی کسی دور یا کسی قوم کی تاریخ لکھتے ہیں تو ان کا موضوع بظاہر کسی انسانی معاشرے کا ماضی ہوتا ہے لیکن یہاں بھی وہ معاشرے پر افراد کے اثرات کو اجاگر کرتے ہیں۔ اس قسم کے سوانح نگار اور ماہرین نفسیات عام طور پر بہت بڑے آرٹسٹ ہوتے ہیں۔ ان کا کام لاکھ مفید سہی لیکن ان کا موضوع وہ نہیں جسے میں تاریخ کہتا ہوں۔''

ابن خلدون (1332-1406) سے پہلے یونانیوں، رومیوں اور عربوں کے ہاں وقائع نویسی اور تاریخ نگاری کی بلند پایہ مثالیں ملتی ہیں لیکن اس کا کمال یہ ہے کہ وہ معاشرے کے محرکات کو پیش نظر رکھتا ہے۔ ''ابن خلدون یہ تسلیم نہیں کرتا کہ حوادث بغیر نظم و ترتیب کے محض بخت و اتفاق سے پیش آتے رہتے ہیں بلکہ وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ چند قوانین اجتماعی حرکت کے محرک ہوتے ہیں اور ان قوانین پر بحث کرنے کے لیے اجتماع کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ وہ اپنی تاریخ کے 'مقدمہ' میں لکھتا ہے کہ تاریخ ظاہر میں تو زمانوں اور سلطنتوں کی روایتوں سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی لیکن باطن میں وہ نام ہے نظر و تحقیق کا، مخلوقات اور اس کے اصول کی باریک تعلیل کا، اس گہرے علم کا جس کا تعلق واقعات کی کیفیات اور ان کے اسباب سے ہے۔ اس حیثیت سے اس کے رگ و ریشے فن حکمت سے وابستہ ہیں اور تاریخ اس کی مستحق ہے کہ اس کا شمار علوم حکمیہ میں کیا جائے'' (صفحہ 10)

آسولڈ شپنگلر کے نزدیک انسانی تاریخ تمدنوں کے مختلف ادوار سے عبارت ہے۔ اس کے نزدیک ''ہر تمدن کو یکساں خارجی حالات اور یکساں نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہر تمدن کا آغاز مذہب اور انجام سائنس پر ہوتا ہے۔'' وہ کئی صدیوں کی تاریخ کو ایک جملے میں ختم کر دیتا ہے۔ ''یونانی حدودیت کے اور مغربی یورپ کے رہنے والے لامحدودیت کے قائل ہیں چنانچہ یونانی تاجروں کے جہاز دور دراز ساحلوں تک نہ جا سکے لیکن مغربی یورپ کے رہنے والوں نے اپنی کشتیوں کے بادبان لامحدودیت میں پھیلا دیے۔'' (صفحہ 12)

ہندی آریوں کی فتوحات

وادی سندھ میں داخل ہونے سے پہلے آریہ کہاں رہتے تھے؟ اس سوال کے کئی ایک

جواب دیے جا چکے ہیں۔ ہم اس مفروضہ پر قائم ہیں کہ آریوں کا پرانا وطن وسطی ایشیاء میں کہیں ہوگا۔ اس مقام سے ان کی ایک شاخ نے یورپ کا رُخ کیا اور دوسری نے جنوب کی راہ لی۔ اپنے اس پرانے وطن میں آریوں کی اکثریت کھیتی باڑی کرتی تھی۔ ان کے چھوٹے چھوٹے گاؤں تھے۔ ان کی زبان موجودہ انڈو یورپی زبانوں کی ماں ہوگی۔ وہ تیر کمان اور نیزے کے استعمال سے واقف ہو چکے تھے۔ سونے کو ''زرد'' اور چاندی کو ''سفید'' کہتے۔ وہ قدرت کے مظاہر کی پوجا کرتے۔ ان میں بہت کم مذہبی رسمیں تھیں۔

دو ہزار قبل مسیح میں آریوں نے اپنے اس وطن کو چھوڑا۔ دریائے سندھ کی تیز رفتاری کو دیکھ کر ان نئے آنے والوں نے اسے سندھو کا نام دیا۔ سندھ کو عبور کیا تو پنجاب کے باشندوں نے ان نو واردوں کا مقابلہ کیا۔ پنجاب میں آریوں کے داخل ہونے سے پہلے کئی ایک چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں تھیں۔ جن کے بعض حکمرانوں اور مضبوط قلعوں کا رگ وید سے پتہ چلتا ہے۔ کئی سو سال تک آریوں اور پنجابیوں میں لڑائیاں ہوتی رہیں۔ ان لڑائیوں میں سب سے مشہور وہ ہے جسے دس بادشاہوں کی لڑائی کہا جاتا ہے۔ جب آریہ حملہ آور پنجاب کی ساری ریاستوں کو شکست دے چکے تو پنجابیوں نے گوریلہ جنگوں سے آریوں کو تنگ کرنا شروع کیا۔ وہ آریوں کے دیہات پر حملہ کرتے اور ان کے مویشی اُٹھا کر لے جاتے۔ وہ جنگلوں میں چھپ کر آریہ مسافروں کو لوٹتے لیکن آہستہ آہستہ آریوں نے پنجابیوں کی طاقت کو کچل کر انہیں جنوب کی طرف بھگا دیا۔ بعض نے جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ لی۔ جو بچ نکلے انہیں آریوں نے غلام بنالیا۔ تقریباً چار ہزار سال گزر جانے پر بھی پنجاب کے ان اصلی باشندوں کی اولاد وہاں موجود ہے۔ آریوں اور پنجابیوں کی ان لڑائیوں کا تذکرہ رگ وید میں ملتا ہے رگ وید میں پنجاب کے اصلی باشندوں کو داسو کہا گیا ہے چونکہ کسی داسو شاعر کا کلام ہم تک نہیں پہنچ سکا۔ اس لیے تاریخ کے اس دور کا صرف آریائی زاویہ نظر سے ہی مطالعہ ہوتا رہا ہے آریوں نے پنجاب کے قدیم باشندوں کو وحشی اور ظالم کہا اور رگ وید میں انہیں شور مچانے والے بربری کہا گیا ہے۔ (صفحہ نمبر 81-82)

ہندی آریائی فلسفہ

ہندی آریوں کے عقلی دور (1000 ق م سے 300 ق م) میں کپل اور گوتم بودھ کی

ہستیاں بہت نمایاں ہیں۔ایک فلسفی تھا اور دوسرا مصلح۔ایک نے فلسفے اور دوسرے نے اصلاح سے کام لیا۔فسلفی صرف فلسفے تک ہی محدود رہا۔اور صرف گیانیوں ہی سے خطاب کرتا رہا لیکن مصلح نے ایک نیا مذہب قائم کیا کپل عمر بھر فلسفیانہ سرگرمیوں میں مصروف رہا۔وہ بودھ سے سو سال پہلے ہوا ہے اسی کے نام پر شہر آباد ہوا گوتم بودھ اسی میں پیدا ہوا تھا۔کپل دنیا کا پہلا فلسفی ہے جس نے فلسفہ کو تحریری صورت میں پیش کیا۔اس عقلیت کی بنا پر بڑے بڑے پیچیدہ مسائل پر غور کیا اس نے اپنے فلسفہ کرسانکیا سوتر میں پیش کیا۔اس کے فلسفہ کا مقصد انسان کو ہر قسم کے دکھوں سے نجات دلاتا ہے۔وہ قربانی کی ویدک رسموں کو نہیں مانتا اس کے نزدیک انسان کی نجات گیان اور دھیان (علم وفکر) میں ہے وہ اس خیال کو نہیں مانتا کہ تمام روحیں روح کل کے اجزا ہیں اس نے نزدیک ہر روح کی ہستی الگ الگ ہے اور ہر روح نجات پانے کے بعد اپنی اسی جداگانہ حیثیت کو برقرار رکھے گی۔اس کے نزدیک روح کے سوا ہر چیز مادی ہے۔نہ صرف عناصر مدرکات اور اعضائے فعل، مادی ہیں بلکہ نفس،شعور اور ذہن بھی مادہ ہی کے نتائج ہیں۔کپل صرف ادراک،استخراج اور تصدیق سے ثبوت حاصل کرتا ہے۔وہ کسی ایسے شے کا قائل نہیں جو ان تینوں سے باہر ہو۔خدا کا یہ منکر فلسفی علیت (یہ اصول کہ ہر شے یا واقعہ کا کوئی سبب ہے) کا قائل ہے ہر وجود کی علت ہے کیونکہ کوئی وجود علت کے بغیر نہیں ہوسکتا وہ روح کے سوا باقی ساری اشیاء کو مادی کہتا ہے اور تمام مادی اشیاء کے سرچشمہ کو ''ابتدائی مادہ'' (پراکرتی) کا نام دیتا ہے وہ روح کے وجود کو مادہ سے الگ تسلیم کرتا ہوا روح کل کی جگہ بہت سی روحوں کا قائل ہے۔ (صفحہ نمبر 95)

گوتم بودھ

مسیح سے گیارہ سو سال پہلے اپنیشدوں میں روح، زندگی، موت اور خداوند برتر ایسے گہرے مسئلے بیان کیے جا چکے تھے۔پانچ سو سال تک ایک طرف گہری سوچ ہوتی رہی اور دوسری طرف ہندی آریوں کی تمام مذہبی رسوم کی ادائیگی صرف ایک جماعت میں محدود ہوگئی۔ذات پات کی کڑی تقسیم کے خلاف سماج میں کبھی کبھی بے چینی کا اظہار ہو جاتا۔شودر ہر قسم کے شہری،مجلسی اور مذہبی حقوق کے محروم تھے۔یہی طبقہ کسی انقلاب کا خواہاں ہوسکتا تھا۔یہ انقلاب چھٹی صدی قبل مسیح میں ہوا۔گوتم بودھ نے انسان اور انسان میں امتیاز کے خلاف بغاوت کی وہ گرے ہوؤں کو

اُٹھانے کے لیے آگے بڑھا۔ اور وہ اونچ نیچ کی تفریق کو مٹانے پر آمادہ ہوگیا۔ اس نے برہمن اور شودر کو مساوی درجہ دیتے ہوئے لوگوں کو سچائی اور پاکیزگی کی تعلیم دی۔ اس نے ویدک رسموں اور جسمانی ریاضتوں کو بے فائدہ بتلایا۔ لوگوں نے اس کی باتوں کو سنا۔ پانچویں اور دسویں صدی عیسوی کے درمیاں ساری دنیا کی آدھی آبادی بدھ ہی کی پیرو تھی۔ اس نے بادشاہ کو اس کے تخت پر اور غریب کو اس کی جھونپڑی میں متاثر کیا۔ گوتم کا باپ شدودھن، کپل وستو کا راجہ تھا۔ اس کی پیدائش کے متعلق بہت سی باتیں مشہور ہیں۔ پیدائش کے وقت اس کا نام سدھارتھ رکھا گیا۔ گوتم اس کا خاندانی نام تھا۔ جب آپ نے اپنے نئے دھرم کا پرچار شروع کیا تو بودھ (عارف) مشہور ہوئے۔ گوتم کی ابتدائی زندگی کے زیادہ حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ (صفحہ نمبر 99)

جینیوں کی مذہبی کتابوں سے چھٹی صدی ق م کی سولہ بڑی بڑی ریاستوں کا پتہ چلتا ہے جن میں بعض بادشاہتیں تھیں اور بعض جمہوریتیں۔ یہ ریاستیں آپس میں لڑتی رہتی تھیں۔ ہر ریاست کی یہ خواہش ہوتی کہ دوسری ریاستوں پر قبضہ کر کے سب سے بڑی ریاست بن جائے۔ اس زمانہ میں کاسی، کوسالہ، انگلہ، مگدھا، وجی مالا، چیڑی، وتسا، کورو، پنچالا، متسیا، سورانیا، اسا کا، اونتی، گندھارا اور کمبوجا کا شمار بڑی بڑی ریاستوں میں ہوتا تھا۔ (صفحہ نمبر 106-105)

سکندر کے حملے کے وقت پنجاب چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ لیکن اس پر بھی پورس کی پنجابی فوجوں نے ڈٹ کر سکندر کا مقابلہ کیا۔ راوی کے ملیوں (ملیوں کا قبیلہ اب تک پنجاب میں موجود ہے) نے یونانی فاتح کو اپنی بہادری سے اس قدر خوف زدہ کر دیا تھا کہ سکندر نے ان کے شہر ملتان (ملی استان) کو فتح کرنے کے بعد وہاں قتل وغارت گری کا بازار گرم کیا۔ سکندر صرف ان علاقوں کو فتح کر سکا جو کبھی ایران کے ماتحت رہ چکے تھے۔ لیکن چندر گپت موریا نے بہت جلد دریائے سندھ تک کے ان علاقوں پر قبضہ کر لیا جہاں اسکندر اپنے حفاظتی دستے چھوڑ گیا تھا۔ (صفحہ نمبر 108)

گپتوں کا عروج وزوال

موریا خاندان کا آخری حکمران پشیامتر کے ہاتھوں قتل ہوا۔ پشیامتر نے پاٹلی پتر میں سنگا خاندان کی بنیاد ڈالی۔ پشیامتر کی سلطنت، چندر گپت موریا اور اشوک کی سلطنتوں سے بہت چھوٹی تھی لیکن اس پر بھی اسے مشرق اور مغرب میں حملہ آوروں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ کالنگا کے بادشاہ

نے مگدھ پر دوبار حملہ کیا۔ دونوں بار اس نے مگدھ کے چند علاقے اپنے قبضے میں کیے۔ پنجاب (سیالکوٹ) کے یونانی بادشاہ منسن درنے پاٹلی پتر پر حملہ کیا لیکن شکست کھائی۔ پشیامتر نے بودھ مت کو مٹانے کی ہر امکانی کوشش کی۔ 73 ق م میں سنگا خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔ اس خاندان کے آخری حکمران کو اس کے برہمن وزیر واسدیو نے قتل کر کے کانوا خاندان کی بنیاد رکھی۔ 28 ق م میں آندھروں نے کانوا خاندان کا تختہ اُلٹ دیا۔

گپتوں کا دورِ حکومت ہندومت کے احیا کا زمانہ ہے۔ گپتوں نے غیر آریائی اور غیر ملکی سیاسی اقتدار کو مٹانے کی ہر امکانی کوشش کی۔ ہندو سامراج کے اس دور میں غیر آریائی تمدن کو مٹانے کی انتہائی کوشش کی گئی۔ یونانی، باختری، شاکی اور کوشانی اداروں کو مٹا دیا گیا۔ ہندی آریائی تمدن کے اس فروغ میں ان طبقوں کا ہاتھ ہے جنہوں نے اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل کرنے کے لیے گپتوں کے سامراج سے تعاون کیا۔ سنسکرت کو مادری زبان بنانے کے لیے برہمنوں کا پورا طبقہ گپتوں کی حمایت پر تھا۔ ہندومت کے اس دورِ احیا میں ان علوم وفنون نے بہت ترقی کی جن کا تعلق اس احیا سے تھا۔ سنسکرت کو اس احیا کے اظہار کا ذریعہ بنایا گیا۔

مقامی زبانوں (جن کا اشوک کے کتبوں سے پتہ چلتا ہے) کے فروغ کو روک دیا گیا۔ کالیداس، آریہ بھٹ اور برہما گپت اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ موسیقی اور سنگ تراشی نے بھی بہت ترقی کی۔ چینی سیاح ناہین اس دور کا بہترین عکاس ہے ''گیا ویران اور برباد ہو چکا ہے کپل وستو ایک خرابہ ہے ہاں البتہ پاٹلی پتر کے لوگ کھاتے پیتے اور نیک ہیں۔'' آخری گپتوں کو وسطی ایشیا کے ہن قبائل کا مقابلہ کرنا پڑا۔ (صفحہ 123 تا 124)

---

4 تو صاحب منزل ہے کہ بھٹکا ہوا راہی

نور محمد قریشی (ایڈووکیٹ)

تقسیم ہند کے موقع پر ہندو کا کردار

جناب قدرت اللہ شہاب مرحوم نے اپنی خودنوشت

آپ بیتی شہاب نامہ میں بیان کیا ہے۔ واقعہ اس طرح ہے کہ تقسیم سے قبل جب شہاب صاحب اڑیسہ میں ڈپٹی ہوم سیکرٹری تھے تو چیف منسٹر کی ڈاک میں انھیں خفیہ سرکلر دیکھنے کا موقع ملا جو کانگریسی چیف منسٹر صاحبان کے نام ہدایت نامہ تھا کہ وہ اپنے صوبے میں مسلمانوں سے ہر قسم کا اسلحہ تھانوں میں جمع کروالیں۔ ہر جگہ ڈی سی، آئی جی اور ایس پی ہندو لگائیں۔ محکمہ پولیس اور ضلعی انتظامیہ میں مسلمانوں کو فیلڈ ورک سے ہٹا کر بے ضرر قسم کے دفتری کاموں پر لگا دیں۔ پولیس میں مسلمان سپاہیوں کو غیر مسلح کر کے پولیس لائین میں لگا دیں۔ مسلمان آتش بازوں کے لائسنس معطل کر دیے جائیں اور ان کے پاس سے آتش گیر مدہ کا سٹاک فوری طور پر اُٹھا لیا جائے۔ یہ سب کارروائی اس لیے کی جا رہی تھی کہ جب مسلمانوں کا قتل عام شروع کیا جائے تو ان کے پاس مدافعت کے لیے لاٹھی کے سوا کچھ نہ ہو۔ اس سرکلر کے مندرجات سے آگاہ ہونے کے بعد شہاب صاحب کا پریشان ہونا قدرتی امر تھا۔ چنانچہ انھوں نے اس سرکلر کو جناح صاحب تک پہنچانے کا فیصلہ کیا اور اس مقصد کے لیے اسی رات بغیر چھٹی لیے دہلی روانہ ہو گئے اور کئی روز تک تگ و دو کے بعد بمشکل جناح صاحب تک رسائی حاصل کر کے وہ تحریر ان کے حوالے کر دی۔ وہاں سے جو شاباش ان کو ملی اس کی تفصیل انہیں کے قلم سے پڑھیے، وہ لکھتے ہیں:

''اس بار جو میں نے چیف منسٹر کے کاغذات کا جائزہ لیا تو ان میں ایک عجیب دستاویز ہاتھ آئی۔ یہ چھ سات صفحات کا سائیکلوسٹائلڈ انتہائی خفیہ (TOP SECRET) حکم نامہ تھا، جو کانگریسی چیف منسٹروں کے نام اس ہدایت کے ساتھ جاری کیا گیا تھا کہ ہر چیف منسٹر اسے اپنی ذاتی تحویل میں رکھے۔ اس میں لکھا تھا کہ تقسیم ہند کا معاملہ تقریباً طے پا چکا ہے۔ اس لیے جن صوبوں میں کانگریس کی وزارتیں قائم ہیں، وہاں پر مسلمان افسروں کو کلیدی عہدوں سے تبدیل کر دیا جائے۔ خاص طور پر ہوم ڈیپارٹمنٹ، فنانس ڈیپارٹمنٹ اور پریس ڈیپارٹمنٹ میں بااعتماد ہندو افسروں کو تعینات کیا جائے۔ ڈی سی، آئی جی اور ایس پی عموماً ہندو ہوں۔ تھانوں کے انچارج بھی زیادہ سے زیادہ ہندو ہوں۔ محکمہ پولیس اور ضلعی انتظامیہ میں مسلمانوں کو فیلڈ ورک سے ہٹا کر بے ضرر قسم کے دفتری کام کاج پر لگا دیا جائے۔ پولیس کی نفری

میں مسلمان سپاہیوں کو بتدریج غیر مسلح کر کے پولیس لائن اور تھانوں کے اندر معمولی فرائض پر مامور کیا جائے۔ جن صوبوں میں سرحدی مسلمانوں سے بھرتی شدہ ماؤنٹڈ ملٹری پولیس ہے، اسے فوراً توڑ دیا جائے اور افسروں اور نفری کو اختتامِ ملازمت کی مناسب رقم یکمشت ادا کر کے رخصت کر دیا جائے۔ سرکاری خزانوں، اسلحہ خانوں اور محکمہ مال کے ریکارڈ آفسوں کی حفاظت کے لیے ہندو گارڈ تعینات کیے جائیں۔ اسلحہ رکھنے والے مسلمان لائسنس ہولڈرز کی نقل و حرکت کی نگرانی کی جائے۔ ایسے ہنگامی منصوبے تیار رکھے جائیں جن کے تحت ان لائسنس داروں سے قلیل ترین نوٹس پر ہر قسم کا اسلحہ قریبی تھانے میں جمع کروایا جا سکے۔ کاروں، بسوں، ٹیکسیوں اور ٹرکوں کے لائسنس معطل کر دیے جائیں اور ان کا آتش گیر سٹاک فوری طور پر پولیس کی حفاظت میں لے لیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ ہر چیف منسٹر کو نہایت سخت تاکید کی گئی تھی کہ وہ ان ہدایات پر ایسی خوش اُسلوبی سے عمل درآمد کرے کہ اس سے آبادی کے کسی فرقے کے خلاف کسی قسم کے امتیازی سلوک کا پہلو مترشح نہ ہو! بغل میں چھری اور منہ میں رام رام کا اس سے بہتر ظہور چشم تصور میں لانا محال ہے۔

یہ دستاویز پڑھ کر تھوڑی دیر میرے دل میں ایک عجب سی کشمکش ہوتی رہی۔ ڈپٹی ہوم سیکرٹری کا پیشہ ورانہ ضمیر میرے اندر چھپے ہوئے بے عمل، ناقص اور خوابیدہ سے مسلمان کے ضمیر کے ساتھ ٹکرا گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ تھوڑی سی لڑائی کے بعد جیت ٹوٹے پھوٹے مسلمان ہی کی ہوئی۔ چنانچہ میں نے یہ دستاویز اُٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لی اور اُسی رات قائداعظم سے ملاقات کرنے کی نیت سے دہلی روانہ ہو گیا۔

ان دنوں مسٹر کے ایچ خورشید قائداعظم کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ اگر وہ دہلی میں موجود ہوتے تو غالباً مجھے قائداعظم سے ملنے میں کوئی دِقت پیش نہ آتی لیکن وہ موجود نہ تھے۔ ایک دو روز کی تگ و دو، منّت سماجت اور حیلے بہانوں کے بعد آخر بڑی مشکل سے مجھے قائداعظم تک رسائی حاصل ہوئی۔ جب میں ان کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ کچھ لکھنے میں مصروف تھے۔ فارغ ہو کر ایک نظر مجھ پر ڈالی اور گرجدار آواز میں

بولے۔ ''کیا بات ہے؟''

''سر! میں آپ کے لیے ایک مفید دستاویز لے کر آیا ہوں۔ میرا نام قدرت اللہ شہاب ہے۔ میں اڑیسہ میں ڈپٹی ہوم سیکرٹری ہوں۔'' میں نے ایک ہی سانس میں زیادہ سے زیادہ باتیں کہنے کی کوشش کی۔

''کیسی دستاویز؟''

میں نے آگے بڑھ کر کانگریس کا سرکلر اُن کی خدمت میں پیش کیا۔ وہ بڑے سکون سے اسے پڑھتے رہے۔ میں کھڑا ہوا اُن کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔ ان کے جذبات میں ہلکا سا ارتعاش بھی پیدا نہ ہوا۔ ایک بار پڑھ چکے تو مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور فرمایا، ''ہاں، یہ ہمارے لیے مفید ہو سکتی ہے۔''

یہ کہہ کر وہ دوبارہ اس کے مطالعے میں مصروف ہو گئے۔ اس کے بعد مجھ سے دریافت کیا، ''یہ تم نے کہاں سے حاصل کی ہے؟''

میں نے فرفر ساری بات کہہ سنائی۔

''ویل، ویل..... تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، "THIS IS BREACH OF TRUST" (یہ بددیانتی ہے)'' (صفحہ 267)

(اس کے نتیجے میں قائداعظم نے مسلم لیگ کے ذریعے کیا حفاظتی اقدامات کیے اس کا ذکر اس کتاب میں نہیں)

---

5 وفا کا کعبہ

حسن محمود

یہود و ہنود اتحاد اور قرآن

یہودیوں کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد پاک ہے کہ

''(یہود) جن کو کتاب آسمانی (DIVINE BOOK)

سے ایک حصہ دیا گیا اس کے باوجود وہ بت پرستوں اور طاغوت کی حمایت کرنے

لگ گئے اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے کفار بہتر ہیں یہ وہ لوگ (یہود) ہیں جن کو اللہ نے پھٹکار دیا ہے۔(55-52:04)

بیت المقدس پر اسرائیلی قبضہ کے بعد جون 1967ء میں پیرس کی سار بون یونیورسٹی کی ایک تقریب میں، اسرائیل کے بانی بن گورین نے خطاب میں کہا:

''عالمی صہیونی تحریک کو اس خطرہ سے غافل نہیں ہونا چاہیے جو اسے پاکستان کی طرف سے لاحق ہے۔ اب پاکستان ہی ہمارا پہلا ہدف ہونا چاہیے کیونکہ یہ نظریاتی مملکت ہمارے وجود کے لیے خطرہ ہے۔ پاکستان کے عوام بلا اشتباہ یہودیوں سے نفرت اور عربوں سے محبت کرتے ہیں۔ عربوں سے ان کی یہ محبت ہمارے لیے خود عربوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہوگی۔ چنانچہ عالمی صہیونی تحریک کے لیے لازم ہے کہ پاکستان کے خلاف فوری اقدامات کرے۔ جزیرہ نمائے ہندوستان کے باشندے ہندو ہیں، ان کے دلوں میں ہمیشہ مسلمانوں کی نفرت موجزن رہی ہے۔ چنانچہ پاکستان کے خلاف کام کرنے کے لیے ہندوستان ہی ہمارے لیے موزوں ترین کمین گاہ ہے، ہمیں چاہیے کہ اس کمین گاہ سے پورا پورا فائدہ اُٹھائیں، یہودیوں اور صہیونیت کے دشمن پاکستانیوں پر اس ٹھکانے (یعنی ہندوستان کے ذریعہ) سے ضرب لگا کر کچل دینے کے لیے ڈھکے چھپے اور خفیہ منصوبے اختیار کریں''۔(صفحہ 142)

یہود و ہنود میں موازنہ

دونوں ممالک کے مقتدر حکمرانوں یعنی یہود و ہنود کو آزاد و باوقار حکمران اقوام کی طرح نہ جینا آیا اور نہ رہنا۔ ہر وقت پڑوسیوں سے خوف، ہنگامی بنیادوں پر انہیں نابود کرنے کی تیاریاں خصوصاً مسلمان ان کا نشانہ نمبر ایک ہیں یہ ان پر کس طرح قانون باہمی بے چینی اور انہیں ختم کر ڈالیں۔ یہ اقدام ان کی بزدلی اور پسماندہ نفسیات کی عکاس ہیں۔

ان دونوں اقوام میں اس دنیا اور اس کے وسائل و اسباب کی چاہت رچی بسی ہے اور ان کی تمام زندگی اس کے حصول کے گرد گھومتی ہے۔ عملاً ان کے نزدیک یہی زندگی اہم اور حقیقی ہے۔ قرآن پاک نے یہود کی یہ نفسیات بتائی ہے کہ ان کی خواہش ہے کہ ان میں سے ہر ایک

یہودی کی عمر کئی ہزار برس ہو۔اسی طرح قرآن پاک نے اسی کے ساتھ مشرکین (بت پرست) کی بھی طویل عمر کی خواہش کا تذکرہ کیا۔

یہود	ہنود
نسل پرستی اور فضیلت	**نسل پرستی اور فضیلت**
یہود اپنے آپ کو دنیا کی سب سے افضل اور مقدس قوم گردانتے ہیں تالمود کی تعلیمات کے مطابق باقی اقوام اور انسان ''گوئم'' یعنی جانور ہیں لہٰذا ان کا استحصال اپنا حق سمجھتے ہیں۔	البیرونی نے ''کتاب الہند'' میں بتایا ہے کہ ہنود نسل پرست قوم ہیں اپنے آپ کو علم و دانش کا منبع اور باقی اقوام کو گھٹیا ملیچھ (پلید) اور بے علم تصور کرتے ہیں۔ یہ آج بھی برہمن سماج میں دیکھا جاسکتا ہے۔
عظیم تر اسرائیل	**اکھنڈ بھارت**
اسرائیلی یہودی توسیع پسندانہ عزائم رکھتے ہوئے مصر دریائے نیل سے لیکر مدینہ منورہ تک کے علاقہ پر جہاں وہ ماضی میں رہے، عظیم تر اسرائیل کے قیام کے لیے سرگرداں ہیں۔	بھارت کے ہنود بھی اسی PATTERN پر افغانستان سے لے کر انڈونیشیا تک اکھنڈ بھارت کا خواب دیکھ رہے ہیں۔
ہیکل سلیمانی SOLOMAN TEMPL	**رام مندر RAM TEMPLE**
یہودی بیت المقدس کو شہید کر کے ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے لیے بے تاب ہیں یعنی مسجد اقصیٰ کی جگہ SOLOMAN TEMPL کی تعمیر۔	ہنود بابری مسجد، رام کی جنم استھانی قرار دے کر گرا چکے ہیں اور اس کی جگہ R A M TEMPLE تعمیر کرنا چاہ رہے ہیں نیز بابری مسجد کی شہادت پر یہ دیکھنا بھی مقصود تھا کہ مسجد اقصیٰ کے گرائے جانے پر مسلمان کتنا ردِّعمل دکھائیں گے۔
سود	**سود**
یہود دنیا بھر میں سودی کاروبار کے بانی اور عالمی معیشت کو اس گھناؤنے ہتھکنڈے کے ذریعے جکڑے ہوئے ہیں۔	ہنود میں سودی کاروبار کی ایسی ہی بھیانک صورت موجود ہے۔ جبکہ ہندو بنیا بھی سودی لین دین میں یہودی ہے اور ضرب المثل ہے۔

نسل پرستی	نسل پرستی
یہود نسل اور تعصب و برتری کے نظریات رکھنے والے ہیں جس کو U.N کی قرارداد میں تسلیم کیا گیا (جسے بعد میں امریکہ نے دباؤ ڈال کر دوبارہ ختم کرایا)۔ یہود غیر یہود کو جینٹائل یعنی انسان نما جانور قرار دیتے ہیں۔	نسل پرستی کے اسی قسم کے معیارات ہندو معاشرتی نظام میں موجود ہیں جس کی واضح مثال برہمنیت ہے اور شودر و چھوت ہیں (اچھوتوں کو برہمنوں نے فتح کر کے غلام بنایا اور ان کے لیے چھوت چھات کے معیارات برتری کے لیے رکھے)
عسکری عزائم	**عسکری عزائم**
یہود مغربی طاقتوں اور امریکہ کی ایماء پر بہت بڑی فوجی قوت منی سپر پاور کی صورت اختیار کر چکا ہے۔	جنوب مشرقی ایشیا میں بھارت بھی مغربی طاقتوں، امریکہ، اسرائیل اور روس کے تعاون سے منی سپر پاور کی شکل میں کھڑا ہے۔
بربریت وتشدد	**بربریت وتشدد**
فلسطینی مسلمانوں پر مظالم اور تشدد معمول بن چکا ہے۔	بھارت نے کشمیر میں مظالم کا بازار کشت وخون کے ذریعے گرم کر رکھا ہے جس میں اسرائیل اس کی معاونت کر رہا ہے۔
ثقافت	**ثقافت**
یہود امریکہ اور یورپ کے ذریعے وسیع تر فلم انڈسٹری قائم کر کے عریانیت و فحاشی اور پوپ موسیقی کے سیلاب کو ایک منصوبہ بندی کے تحت لانے کا باعث ہیں۔	بھارت بھی اسی پیٹرن پر کام کر رہا ہے خصوصاً پاکستانی مسلمانوں کو اخلاقی طور پر برباد کرنے کے لیے ان ہتھکنڈوں کو اپنی ثقافتی سرگرمیوں کے ذریعے پھیلایا۔ بھارت کی اس وقت دنیا کی سب سے بڑی فلم انڈسٹری سے ناچ گانا عریانیت معمول بن چکا ہے۔

باہمی اشتراک

دونوں قومیں مسلمانوں کے وجود کے خلاف باہم مکمل متحد اور برسر پیکار ہیں پاکستان اور عالم اسلام کے خلاف میڈیا وار نفسیاتی جنگ بھارت اور اسرائیلی ایجنسیوں کی دہشت گردی فرقہ واریت لسانیت کا فروغ میں سرگرم عمل ہیں۔ دونوں ممالک ایک دوسرے کے تجربات سے

فائدہ اُٹھانے کے علاوہ انتہائی قریبی فوجی تعاون بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔

اسرائیل بھارت گٹھ جوڑ

اسرائیل کے بھارت سے قریبی فوجی تعلقات قائم ہیں جنگی سازوسامان جنگی الیکٹرانکس، اسلحہ، ہیلی کاپٹر وغیرہ شامل ہیں بھارتی افسران کی اسرائیل میں تربیت کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔

اسرائیلی صدر نے دسمبر 1996ء کے آخری ہفتہ میں بھارت کا سرکاری دورہ کیا جس میں متعدد معاہدات ہوئے جس میں وسیع تر فوجی تعاون بھاری فوجی سامان اور اسرائیلی لڑاکا طیاروں کی فراہمی شامل تھی۔

اسرائیل نے اپنے ایئر چیف میجر بوڈنگر کے ذریعہ بھارت کو ایک نہایت پرکشش دفاعی معاہدے کی پیش کش کی، جو کہ اویکس آر پی وی جیسے جدید ترین فضائی نگرانی اور وارننگ سسٹم اور اسرائیلی سراغرسانی سیٹلائٹ کے استعمال پر مشتمل ہے۔ بشرطیکہ بھارت اسرائیل کو جودھ پور یا بھوج کے ہوائی اڈے استعمال کرنے کی اجازت دے۔ بھوج پاکستانی سرحد سے فقط 80 کلومیٹر اور جودھ پور فقط 150 کلومیٹر ہے۔

کچھ عرصہ قبل امریکی ڈیفنس سیکرٹری ولیم پیری نے بھی جودھ پور کا دورہ کیا۔

بھارتی ایٹمی دھماکے اور تازہ ترین اسرائیلی معاہدات

بھارت نے اچانک مئی 1998ء میں اکٹھے پانچ ایٹمی تجربات کیے، جن کا جدید ترین نظام کے باوجود بظاہر امریکہ اور یورپی ممالک کو علم نہ ہوا۔ راجستھان کے مقام پکھران پر یہ کیے گئے ایٹمی دھماکے میڈیا کے مطابق ایٹمی ہائیڈروجی اور نیوٹران بموں پر مشتمل تھے۔

ماہرین کے مطابق بھارت ہائیڈروجن اور نیوٹران بم کی صلاحیت نہیں رکھتا یہ خبریں آئیں کہ یہ دو قسم کے دھماکے اسرائیلی تجربات تھے جس سے ان دونوں کی قربت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے (اس ضمن میں منو بھائی صاحب کے کالموں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے) نیز بھارتی ٹی وی دوردرشن کے مطابق روس کے ساتھ دو ہزار میگاواٹ کے ایٹمی ری ایکٹر لینے کے معاہدات ہوئے مزید براں روس کے ساتھ مل کر اینٹی بلاسٹک میزائل بھی تیار کیے جائیں گے۔

ایک موقع پر امریکی جریدے ''ڈیفنس نیوز'' کے مطابق ''دونوں ممالک نے اربوں ڈالر کے مشترکہ منصوبہ کے آغاز کا اسی سال سے فیصلہ کیا ہے۔ جس کے تحت جدید ریموٹ کنٹرول طیارے اور تیز رفتار جنگی کشتیاں تیار کی جائیں گی۔ امریکی جریدے نے دونوں ممالک کے حوالے سے رپورٹ میں بتایا کہ ابھی مزید بات چیت دونوں ممالک کے مابین چل رہی ہے۔ اسرائیل بھارت کو جدید ریموٹ کنٹرول ''بیرون'' طیارے اسی سال دسمبر میں فراہم کرے گا۔ علاوہ ازیں یہ طیارے بھارت میں بھی تیار ہوں گے ٹیکنالوجی اسرائیل فراہم کرے گا رپورٹ کے مطابق یہ طیارے بھاری پے لوڈ اٹھا کر طویل فاصلے تک پرواز کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں بھارت کو جدید اور تیز ترین جنگی کشتیاں سپر ڈورا ۱۱ ایم کے ۱۱ بھی فراہم کرے گا۔ دونوں ممالک بھارت میں ایسی 80 کشتیاں تیار کریں گے۔''

پاکستان کے ایٹمی دھماکے

بھارت نے یکدم پانچ دھماکے کر کے پاکستان کی سیکورٹی خطرہ میں ڈال دی اور اس پر مستزاد ایڈوانی کی جانب سے آزاد کشمیر پر سخت حملہ کی دھمکیاں، صورتحال سخت گھمبیر ہوگئی، علاقائی دفاعی توازن بگڑ گیا نیز پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ کے امکانات بھی بہت بڑھ گئے اور بھارت کے سلامتی کونسل کا ممبر بننے کا امکان ہوگیا۔ پاکستان کے لیے سوائے ایٹمی قوت کے اظہار کے کوئی راستہ نہ چھوڑا۔ یوں پاکستان پہلی اسلامی ایٹمی قوت کی حیثیت سے اُبھرا۔ (صفحہ 129 تا 133)

---

6 دیوارِ برہمن

پروفیسر محمد منور

ہندو معاشرہ اور بت پرستی

برصغیر پاک و ہند میں مختلف نسلوں کے لوگ آباد تھے،
جن کا کوئی مرکزی عقیدہ نہ تھا۔ ان کے ملک (گنگا جمنا کا علاقہ،
نہ کہ سارا برعظیم) کا نام آریہ ورت تھا۔ اور یہ نام بھی آریاؤں کی آمد سے بعد کا ہے۔ بہرحال اس برعظیم میں بسنے والے کسی ایک مرکزی شخصیت کی سیرت سے محروم تھے، توحید کے واضح تصور سے

محروم تھے،اوران کی تقریباً ساری آبادی بت پرست تھی۔کثرت کثیرہ اب بھی بت پرست ہے۔ اب سے تقریباً ایک سوسال پہلے ''آریہ سماج'' وجود میں آیا۔وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ بت نہیں پوجتے مگر جیسا کہ پہلے عرض ہوا، ہندوؤں کی بیشتر بلکہ حاوی آبادی بت پرست ہے۔

یہ بات ذہن میں رکھنے کے لائق ہے کہ اس وقت دوسرے کسی بڑے معاشرے میں نہ بتوں کی یہ فراوانی ہے اور نہ بتوں کو اور ساتھ ہی جانوروں کو زندہ خدا جانا جاتا ہے اور نہ انہیں اس طرح والہانہ پوجا جاتا ہے۔اگر کوئی انسانی گروہ کسی جنگل، پہاڑ یا جزیرے میں آج سے پانچ ہزار سال قبل کی حالت میں بند ھ کر جم کر اور متحجر ہو کر رہ گیا ہو تو یہ الگ بات ہے ورنہ دنیا کے دیگر تقریباً سارے بت پرست یا بت پسند معاشرے اب اپنے بتوں کو محض آثارِ قدیمہ جانتے ہیں اور انہیں اپنے کمالِ صنعت کا ثبوت قرار دیتے ہیں۔مصر، یونان، روما، ایران، جاپان وغیرہ لیکن حیرت ہے کہ بھارتی ہندو معاشرے میں بت آج بھی ایک زندہ حقیقت ہے، وہ آج بھی دیوتا ہیں۔ یہ حیرت اور بھی بڑھ جاتی جب ہم یہ امر مدنظر رکھتے ہیں کہ ہندو معاشرہ تمدن وتہذیب کے دریائے رواں سے سیراب ہو رہا ہے، جس نے بڑے بڑے سائنس دان، ماہرین ریاضیات اور عظیم فلاسفر پیدا کیے ہیں۔ ہندو معاشرہ بہت بڑا معاشرہ ہے اور چین کے بعد آبادی کی رو سے دنیا کا سب سے بڑا معاشرہ ہے، مگر ذہنی طور پر یہ معاشرہ پانچ ہزار سال پرانا معاشرہ ہے۔مراد ہے ذہناً وہیں کھڑا ہے جہاں پانچ ہزار سال قبل تھا۔ان کے ذہن وفکر نے زمانے کا ساتھ نہیں دیا۔علم گو بڑھتا رہا، مگر علم ایک الگ شعبہ ہے اور عالی ظرفی، شائستگی اور تمدن دوسرا شعبہ ہے۔علم معلومات مہیا کرتا ہے، علم تعمیر انسانیت کا فریضہ سرانجام نہیں دیتا۔تعمیر انسانیت کا فرض بہترین انسان ہی ادا کر سکتے ہیں اور بہترین انسان ہر دور میں وہی تھے جو خدائی احکام ونواہی کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔اور ظاہر ہے کہ اسلام کی کامل صورت، اور خدائی احکام ونواہی پر استوار، جمیل ترین صورت آنحضور ﷺ کی ہے، اس لیے ہمارے عقیدے کی رو سے بہترین افراد وہ ہیں جو نبی خاتم ﷺ کی سیرت کا اچھے سے اچھا نمونہ ہوں، مگر ہندو معاشرہ چونکہ توحید کے واضح تصور اور رسالت کے مفہوم ہی سے ناآگاہ ہے لہٰذا بت پرستی اور حیوان پرستی سے اوپر اُٹھ ہی نہیں سکتا۔ایسے معاشرے میں کوئی سیرت مرکزی سیرت کیونکر بن سکتی ہے۔

ہندو کون ہے؟

یہی باعث ہے کہ کوئی خدا کو مانے جب بھی ہندو نہ مانے جب ہندو، تناسخ کا قائل ہو جب بھی ہندو نہ ہو جب بھی ہندو، بت پوجے جب بھی ہندو نہ پوجے جب بھی ہندو، کرشن جی مہاراج کو پربھو جی کا اوتار تسلی کرے جب بھی ہندنہ کرے جب بھی ہندو، غرض یہ معاشرہ جب سے وجود میں آیا ہے اس کے کوئی مقرر ضوابط نہیں، یہی وجہ ہے کہ آج تک کوئی ہندو محقق بھی یہ فیصلہ نہیں کر پایا کہ ہندو کی تعریف کیا ہے؟ ہندو کون ہے؟ اس ضمن میں پنڈت شوکشن کول کی کتاب "WAKE UP HINDUS" کا مطالعہ کافی ہو رہے گا۔ اس کتاب میں کول صاحب آخر میں فقط یہی کہہ سکے کہ ہندو وہ ہے جو برصغیر کے معاشرے سے نسبت رکھتا ہو، اس کا نام اس معاشرے کے ناموں کا سا ہو اس معاشرے کے تمدن کے رنگ میں رنگا ہوا ہو، یہاں کے میلے اور رسمیں اس کے بھی میلے اور رسمیں ہوں۔

ہندو معاشرہ، مادّی ماحول کا قیدی

مشہور مغربی فلاسفر ہیگل نے اپنی کتاب ''فلسفہ تاریخ'' میں اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ دنیا میں کوئی دوسرا معاشرہ اس طرح اپنے جغرافیے اور ماحول کا قیدی نہیں جس طرح ہندوستانی معاشرہ ہے۔ ہندوستان سے ہیگل کی مراد ہندو معاشرہ ہے۔ یہی باعث ہے کہ البیرونی کے بقول (اور اس کا یہ قول اس کی کتاب "ما للهند" کے آغاز ہی میں وارد ہے) ہندوؤں کے نزدیک ان کے وطن کی سرزمین سے باہر کی ساری دنیا ناپاک ہے اور پاک دھرتی فقط انہیں کا وطن ہے۔ وہ غیر ملکیوں کو ملیچھ کہتے ہیں، لیکن چونکہ ہر بیرونی سرزمین پلید ہے لہٰذا غیر ملکی اور ناپاک ہم معنی ہو گیا۔ البیرونی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہندو لوگ اتنے برخود غلط ہیں کہ ان کے نزدیک جملہ علوم و فنون کا گھر انہی کا وطن ہے چنانچہ کسی علمی بحث میں اگر یہ کہا جائے کہ خراسان کے فلاں عالم نے یہ لکھا یا کہا ہے تو وہ حیرانی سے پوچھتے ہیں ہندوستان سے باہر کے لوگ یہ بات کیونکر جانتے ہیں؟۔۔۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ (صفحہ 206 تا 208)

مہابھارت اور رام کتھا

''رام کتھا'' کا دور مہابھارت سے قبل کا ہے، اس لیے کہ مہابھارت میں رام جی کے بارے میں کچھ اشارے ملتے ہیں، لیکن موجودہ رامائن جو والمیک نے مرتب ومنظوم کی، وہ مہابھارت سے بعد کی ہے۔ اب صحیح طور پر تو مہابھارت کا زمانہ بھی متعین نہیں کیا جاسکتا، بہرحال مہابھارت نے کرشن جی اور رادھا کی داستان کو عام کردیا اور کرشن جی کو رفتہ رفتہ اوتار کا مقام دے دیا گیا حالانکہ اصلاً ترتیب زمانی کی رو سے رام چندر جی سینئر تھے، لیکن ہیں تو دونوں اسطوری وجود، برہمنوں نے کرشن جی مہاراج کو ویشنو جی کا اوتار اور پرتو بنا کے ان کے نام کے مندر بھی بنانے شروع کردیے۔ ویشنو جی اور شیو جی کے دیگر اسطوری آسمانی مخلوق کی طرح کئی جلوے اور کئی روپ ہیں۔ دس اہم روپ رام جی کے بھی گنائے جاتے ہیں مگر اس تفصیل کی ضرورت نہیں، ویسے ایک روپ مچھلی ہے، ایک روپ کچھوا، ایک روپ اژدہا۔ رام چندر جی کو بھی بڑھاتے بڑھاتے دنیا میں ویشنو جی کا اوتار بنادیا گیا اور آخر یہ ہوا کہ وہ اسی روپ میں آسمان کی طرف اُٹھ گئے۔

بدھ مت اور جین مت کا زمانہ

والمیک رشی نے رامائن کس زمانے میں لکھی، یہ مسئلہ بھی کبھی واضح نہیں ہوا۔ عام محققین یہ فرماتے ہیں کہ یہ کاوش زیادہ سے زیادہ چار پانچ صدی قبل مسیح سے تعلق رکھتی ہے، اس اعتبار سے یہ تصنیف بدھ مت اور جین مت کے دور ظہور کے لگ بھگ عمل میں آرہی تھی، چنانچہ بدھ مت والے اس کہانی کو جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک میں ساتھ لے گئے، جین والوں نے بھی اس کہانی کو درس آموز ہونے کے باعث قبول کیا اور پھیلایا، اس وقت اس میں ابھی برہمن کی ذاتوں کے بارے میں اضافے نہیں ہوئے تھے اور نہ رام چندر جی کو ویشنو دیوتا کا روپ عطا ہوا تھا، رام چندر جی اس وقت ایک ایسے راجہ تھے جنہوں نے انصاف بخشا، امن قائم کیا، جن کی حکومت میں رعایا خوشحال تھی، تاریخی اعتبار سے رام چندر جی کو ویشنو بنے بمشکل دوسوا دوسو سال ہوئے ہیں۔ اب رامائن پڑھنا ویشنو پوجا کے برابر ہے۔ (صفحہ 126)

باب 3

آسمانی ہدایت کی روشنی میں
قوموں کا عروج وزوال

1۔ آسمانی ہدایت کو تسلیم کر لینے سے تحقیق و جستجو کے جو بنیادی اُصول بنتے ہیں وہ ان اصولوں سے بہت مختلف ہیں جو خداشناسی کی بجائے خدابیزاری کو اپنا کر ہر دور کے سیکولر اور آزاد خیال، حیوانی سطح پر زندگی گزارنے والے دانشور حضرات کے سامنے رہتے ہیں۔ خدا بیزار دانشوروں، ان کی علمی و فنی کاوشوں، تخلیقی کاموں اور اُصولوں سے اپنے آپ کو علیحدہ کر کے خداشناسی اور آسمانی ہدایت کے اُصولوں کے تحت اب قوموں کے عروج و زوال پر گفتگو کرنا ہمارے لیے ایک معیّن میدانِ عمل سامنے ہے جہاں زندہ ضمیر لوگوں سے کھلی آنکھوں اور کھلے کانوں کے ساتھ گفتگو ہو سکتی ہے۔

2۔ آج دنیا میں آسمانی ہدایت اور خالق کائنات کی اُتاری ہوئی رہنمائی معلوم کرنے کا ایک طریقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُتاری ہوئی شریعت و ہدایت ہے۔ یہ رہنمائی ان کتابوں اور صحیفوں میں موجود ہے جو آسمان سے اُتاری گئیں یا نبیوں اور رسولوں کو عطا ہوئیں۔ قرآن میں 'زُبُرِ الاوّلین' کے الفاظ ہیں یعنی پہلی یا اوّلین انبیاء کی ہدایت۔ کہا جاتا ہے کہ یہ 'زُبر' حضرت نوح علیہ السلام کو عطا ہوئے تھے اور حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ آج سے چھ ہزار سال قبل یا 4000 ق م کے لگ بھگ ہے۔ ایک قابل غور بات یہ ہے کہ بالفرض یہ 'زُبر' حضرت نوح علیہ السلام کو عطا ہوئے تھے اور ایک رائے کے مطابق جنوبی ایشیا کی قدیم آبادی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان کے عذاب کے بعد یہاں آ کر آباد ہونے والے لوگ ہیں اور یہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہی تھی۔ قدیم 'وید' انہی 'زُبر' کی کوئی شکل ہے۔ تو یقیناً ماننا ہوگا حضرت نوح علیہ السلام پر لکھی ہوئی ہدایت اتری تھی جو مرورِ زمانہ کے ساتھ نقل در نقل موجودہ شکل میں موجود ہے۔ اس مفروضہ پر یہ بات وضاحت طلب رہے گی کہ حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں 'قومِ نوح' کے وقت تحریر کا فن ایجاد ہو چکا تھا جبکہ اہل علم اور علومِ اثریہ کے ماہرین کی رائے یہ ہے

کہ یہ فن لگ بھگ 3000 ق م میں ایجاد ہو۔ الہٰذا حضرت نوح علیہ السلام کے 'زمانہ' اور فن تحریر کی 'ایجاد' کے زمانے میں تطبیق پیدا کرنا لازم ہے ورنہ ان 'زُبُر' یا 'وید' کی حضرت نوح علیہ السلام کی طرف نسبت مشکوک ٹھہرے گی۔

3۔ مزید آسمانی ہدایت کا 'صحف ابراہیم علیہ السلام' کے عنوان سے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ 2000 ق م تک تحریر کا فن ایجاد ہو چکا تھا کاغذ بنانے کا فن بھی ملک عراق میں موجود ہوگا۔ یقیناً 'صحف ابراہیم' کے الفاظ میں قرآن مجید کا بیان حتمی اور یقینی ہے ان حقائق اور تاریخ انسانی کے ابتدائی زمانہ کے ناگزیر خدوخال پر روشنی یقیناً صحف ابراہیم، تورات، زبور اور انجیل میں موجود ہوگی۔ مگر انسانیت کی بدقسمتی یا بنی اسرائیل کی انسان دشمنی اور علم دشمنی کہ انہوں نے اپنے رب کی عطا کردہ آسمانی ہدایت کو ضائع کر دیا اور اصلی نسخے (جس زبان میں یہ کتابیں نازل ہوئیں) گم کر دیے۔ موجودہ بائبل کا عہدنامہ عتیق تورات اور دوسرے انبیاء علیہم السلام پر اتری ہوئی ہدایت کا بیان ہے مگر خود یہود کا دعویٰ ہے کہ تورات کے گم ہو جانے کے بعد موجودہ عہدنامہ عتیق یہود کے اکابرین اور علماء کی یادداشتوں سے حاصل کردہ معلومات پر مبنی ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ عہدنامہ عتیق لکھنے والے کون کون لوگ تھے اور ان کا زمانہ تحریر کیا تھا۔ یہ معیّن نہیں ہو سکتا ہے شدید اختلاف ہے لہٰذا اس اختلاف کی بنا پر عہدنامہ عتیق کی معلومات کا معیار اور حتمیت بھی معروف معیار صداقت سے نیچے گر جاتی ہے۔

کاش تورات، زبور اور انجیل کے اصل نسخے موجود ہو جائیں یا انسانی دسترس میں ہوتے اور گم نہ ہوتے تو انسانی معلومات، علم تاریخ اور علوم اثریہ کی نوعیت سرے سے مختلف ہوتی۔ اور انسانیت صرف پانچ ہزار قبل کی تاریخ اور آغاز تمدن کے بارے میں لاعلمی کے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں نہ مارتی نظر آتی۔

اہل کتاب (بائبل کے ماننے والے یہود و نصاریٰ) سے ہماری دست بستہ گزارش ہے کہ اگر انہوں نے یہ کتابیں خود کہیں چھپا کر رکھی ہوئی ہیں تو خدارا دورِ حاضر میں 'خبر' کے جدید ذرائع کی موجودگی میں انسانیت پر احسان کرتے ہوئے حکمت و علم کے یہ خزانے سامنے لے آئیں تو ماضی کے دھندلکوں میں پوشیدہ کئی 'علم کے دروازے' کھل سکتے ہیں۔

4۔ ویدوں کی حضرت نوح علیہ السلام کی طرف نسبت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحائف کا جنوبی ایشیا میں ہندو قوم کے UPANISHAD پر انطباق، اپنی جگہ اہم ـــــ مگر یہ بات لاینحل ہے کہ کیا حضرت نوح علیہ السلام جو زبان بولتے تھے ویدوں کی زبان وہی ہے اگر یہ زبان ایک نہیں ہے تو 'زُبر' کا اصل زبان میں نسخہ کہاں ہے اور یہ کون اور کیسے طے کرے گا کہ موجودہ 'وید' 'زُبر' کا 'صحیح' ترجمہ ہے یا کسی حد تک صحیح ترجمہ ہے۔ جو سوال بائبل کے عہد نامہ قدیم و جدید کے بارے میں اُٹھتا ہے وہی 'زُبر' کے بارے میں ماہرین علومِ اثریہ کے ذہن میں خلجان کا باعث رہے گا۔ یہی سوال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں اور UPANISHADS کی زبان کے بارے میں اہم ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو زبان بولتے تھے اس زبان میں صحف ابراہیم کہاں ہیں؟ اور کون اور کیسے فیصلہ کرے گا کہ صحف ابراہیم کی صحیح ترجمانی ان UPANISHADS میں موجود ہے۔

زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ جیسے بائبل (تورات، زبور اور انجیل) کا واحد میسّر 'بدل' موجود ہے اس طرح وید اور "UPANISHAD" 'زُبر الاوّلین' اور 'صحائف ابراہیم کا (بگڑی ہوئی صورت صحیح) واحد میسّر (AVAILABLE) بدل ہے۔

5۔ اسی استدلال کی آخری کڑی آسمانی کتاب 'قرآن مجید' ہے جس کو اس وقت بھی دنیا کی ایک بہت بڑی تعداد (20% انسانی آبادی) یعنی مسلمان آسمانی کتاب مانتے ہیں اور یہ کتاب چودہ صدیاں پہلے سے اپنے اصلی متن (زبان اور لہجے کی صحّت) کے ساتھ موجود ہے اور کسی مختصر دور کے لیے بھی تاریخ میں 'غائب' نہیں ہوئی اور یہ بات آج بھی VERIFIABLE ہے کہ پہلی صدی ہجری اور آج کے قرآن کے متن میں کوئی فرق نہیں ہے اور مشرق و مغرب میں ایک ہی متن آج بھی رائج ہے۔

یہ کتاب آخری کتاب ہے اور اس کے لانے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول (MESSENGER) یا پیغمبر تھے اور اس کے ترجمے دنیا کی ہر معروف زبان میں بھی موجود ہیں۔

یہ کتاب آج انسانیت کے پاس واحد حتمی، مصدقہ، تحریف سے پاک ذریعۂ علم ہے جس سے خالق ارض و سما کی منشا و مرضی اور آسمانی ہدایت پائی جاسکتی ہے۔

6۔ اس قرآن مجید کی روشنی میں تاریخ انسانی کے دو مراحل ہیں ایک مرحلہ (PHASE) وہ تھا جب دنیا میں آسمانی ہدایت کا 'باب' کھلا تھا وحی کا سلسلہ جاری تھا اور انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لا رہے تھے۔ یہ سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (وفات 11ھ، جون 632ء) تک جاری رہا۔ اس دور میں قوموں کے عروج وزوال یا ترقی، عروج، عزت، شہرت، وقار اور دبدبہ یا قوموں کی تباہی، عذاب اور مٹ جانے کی وجہ آسمانی ہدایت کا انکار اور ناقدری تھی مخالفت اور عناد تھا جس کی وجہ سے ان قوموں پر جنھوں نے آسمانی ہدایت کے لانے والوں کا مذاق اڑایا، انکار کیا، انہیں جھوٹا کہا، مخالفت کی، اہل ایمان اور پیغمبروں کی زندگیوں کے لیے خطرات پیدا کیے ربّ کائنات کی طرف سے عذاب آ گیا اور ایسی قومیں ایسی تباہی سے دوچار ہوئیں کہ ان کا نام ونشان مٹ گیا۔

7۔ عجیب بات ہے کہ ماہرین علومِ اثریہ تاریخ انسانی کے تذکرے میں شمالی افریقہ، مشرق وسطیٰ، ایران، یونان، شام وغیرہ میں کئی عظیم بادشاہتوں کے عروج اور طویل زمانہ تک ظلم وستم کا بازار گرم رکھنے، عوام کو جانوروں کا گلہ سمجھنے، ان کو بھوکے شیروں کے سامنے ڈال کر ان کی 'ہاو ہو' اور واویلا کی آواز سے محظوظ ہونے اور لطف اندوزی کا تذکرہ تو کرتے ہیں مگر اس انسان دشمنی، علم دشمنی اور وحی دشمنی کا تذکرہ نہیں کرتے جو ایک کتاب قرآن میں موجود ہے اور جس کتاب کے ترجمے دنیا کی ہر معروف زبان میں موجود ہیں کہ اس کا ریفرنس دیا جا سکے۔

ہمارے نزدیک فراعنہ مصر ہوں عراق، شام، یونان کے ظالم شہنشاہ ہوں یا ایران افغانستان وغیرہ کے اہل اقتدار، جس نے بھی 632ء سے پہلے آسمانی ہدایت سے انکار واعراض کیا ہے وہ نشان عبرت بن گیا۔۔۔۔ اہرام مصر، بابل کے کھنڈرات، پیٹرا کی عمارات، بحیرۂ مردار کے کنارے تباہ شدہ بستیاں، ہڑپہ، موہن جوداڑو وغیرہ یہ سب شاندار تہذیبیں ربّ کائنات کے عروج وزوال کے ضابطے کی خلاف ورزی پر تباہی کا نشانہ بنیں اور کھنڈرات میں تبدیل ہو گئیں کہ کبھی دوبارہ زندہ نہ ہو سکیں۔

08۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نبوت سے پہلے رسولوں کے انکار پر اُمت دعوت کے کافروں پر عذابِ استیصال (EXTERMINATING HAVOC) آیا جبکہ اہل ایمان کو بچا لیا گیا جب کہ کافر قوم اور ان کی تہذیب نشانِ عبرت بن گئیں۔ قرآن مجید میں مثال کے طور پر قومِ عاد

(یمن) قومِ ثمود (عمان، شمالی عرب) اور فراعنہ مصر کا ذکر ہے (89:06-14) اور یہ بھی ذکر ہے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنی تہذیبیں، شہنشاہ، بادشاہ، راجے، مہاراجے، حکمران، خدائی کے دعویدار جو بظاہر کسی کے ہاتھوں قتل ہوئے مگر حقیقتاً ان کی منفی سوچ اور فکر کے نتیجے میں عذابِ الٰہی تھا جو ان پر اور ان کی قوم پر آیا۔

جبکہ ـــــ ختم نبوت کے بعد اب دنیا میں ربّ کائنات کی طرف سے دو طرح کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ ایک معاملہ مسلمانوں یعنی آسمانی ہدایت کو ماننے والوں کا ہے اور دوسرا کافروں اور آسمانی ہدایت کو نہ ماننے والوں کا ہے۔ یعنی ایک خدا شناسی کا جذبہ رکھنے والوں کا ہے اور ایک خدا بیزاری کا راگ الاپنے والوں کا ہے۔

ختم نبوت کے بعد اب کافروں کا معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں پر بہت مہربان ہے رحیم، رحمان، غفور، وَدُود ہے وہ انسانوں کو گمراہی میں ملوث دیکھتا ہے، خدائی کے دعویداروں کو خدائی کا دعویٰ کرتے دیکھتا ہے مگر فوراً نہیں پکڑتا بلکہ اس کا ضابطہ (17:15) یہ ہے کہ لوگوں کو پہلے پیغمبر بھیج کر ہوشیار کرتا رہا، جگاتا رہا، متنبہ کرتا رہا کافروں کی طرف سے بقائمی ہوش وحواس مسلسل انکار پر عذاب آ گیا۔ اب ختم نبوت کے بعد چونکہ خلق خدا پر اِتمامِ حجت کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہے اور بلحاظ علم و مرتبہ ہے، جس کے ضمن میں عرصے سے مسلمان مجموعی طور پر کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہیں جس کی بابت قیامت کے دن ان سے باز پرس ہوگی لہٰذا آج کے دور کے کافروں پر بالعموم عذابِ استیصال (EXTERMINATING HAVOC) نہیں آ رہا (اس لیے کہ ان کو سمجھانے اور انکار کے باوجود خلوص سے مسلسل سمجھانے کا حق ادا نہیں کیا گیا)۔

آج کے دور میں کافروں پر عذاب کی کیفیت اللہ تعالیٰ کے ایک دوسرے ضابطے اور قانون کے تحت وارد ہوتی ہے اور عذاب کے مستحق گردانے جاتے ہیں۔ خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک بڑا خوبصورت قول (QUOTE) منسوب ہے کہ 'دنیا میں کفر کے ساتھ حکومت چل سکتی ہے مگر ظلم کے ساتھ نہیں'۔ قرآن میں (13:17) وارد ہے کہ آج دنیا میں حق و باطل خلط ملط ہے مسلمانوں کی اکثریت دین کے معاملے میں کاہلی سستی اور بے عملی کا مظاہرہ کر رہی ہے جبکہ کافر لاعلمی میں خدا شناسی سے دور ہیں اور ماحول کے زہریلے اثر کی وجہ سے خدا بیزاری کے

تصورات میں گھرے ہوئے ہیں اسی لئے آسمانی ہدایت میں وارد حکمت کو دیکھئے کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (2-286) کے مطابق خود مسلمان اہل علم وفقہ نے آج کے کافروں کے بالعموم کافر کی اصطلاح کے ساتھ غیر مسلم (NON-MUSLIMS) کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ کافر کے معنی انکار کرنے والا۔ ہم نے آج کے انسانوں کو خلوص کے جذبے سے خود عمل کرتے ہوئے اسلام پیش ہی کب کیا ہے کہ مجموعی طور پر کسی قوم کی طرف سے انکار ہوا اور وہ قرآنی اصطلاح میں ایسے 'کافر' قرار پائیں کہ وہ عذابِ استیصال کے مستحق ٹھہریں۔ ان کو پہچان کے لئے صرف غیر مسلم (NON-MUSLIMS) کہا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

ان کافروں یا غیر مسلموں (NON-MUSLIMS) کے بارے قانون خداوندی یہ ہے کہ چونکہ ان کا آخرت میں بالعموم کوئی حصہ نہیں ہے لہٰذا وہ دنیا میں مزے سے رہیں گے، ترقی کریں گے، اپنے اور اپنے زیر کفالت افراد کے لیے سہولتیں جمع کریں گے اور دنیا سے رخصت ہو جائیں گے بس دنیا دار الامتحان ہے دار الجزا نہیں ہے۔ لہٰذا ـــــ ان اقوام کے لئے (جن کی آج دنیا میں کثرت ہے) عذاب باطل نظام میں ظلم کی زیادتی، انسانیت کی تذلیل، لوٹ کھسوٹ، انسانوں کے لئے وسائل پر قبضہ کر کے بعض مقتدر طبقات کا خدا بن بیٹھنا، بے حیائی، آزاد خیالی، بدکاری، جانوروں کی طرح زندگی گذارنا جیسے جرائم کی کثرت کی وجہ سے ایک حد سے تجاوز کی صورت میں ناگہانی آفات اور خانہ جنگی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور ایسی حکومتوں کا زوال، ایسے لوگوں کا خاتمہ اور ایسے نظریات اور فلسفوں کا قلع قمع کر دینا ہے جو گزشتہ کئی صدیوں سے دنیا میں ہمارے سامنے جاری ہے۔ ناگہانی آفات (NATURAL DISASTERS) جسے بالعموم سیکولر مزاج، لبرل طبقات انسانیت پر ظلم اور ناانصافی سمجھتے ہیں دراصل انسان کے ذمہ دار اور آخرت میں جوابدہ مخلوق ہونے کے ناطے اختیارات کو اس کی 'حدود' میں رکھنے کے لئے بطور تنبیہ آتے ہیں اور تجاوز کی صورت میں فطرت کا دست قدرت دراز ہو کر نظام کو درہم برہم کر کے معاشروں میں اعتدال کی صورت حال پیدا کر دیتا ہے۔ عذابِ استیصال (EXTERMINATING HAVOC) سے دوچار ہونے والے اقوام اور تہذیبیں کبھی لوٹ کر آباد نہیں ہو سکیں جبکہ یہ اقوام پھر سنور جاتی ہیں اور دنیا میں قائم رہی ہیں۔ یہ ضابطہ اور اسی طرح

کچھ اور آسمانی ضابطے میں جن کے مطابق اللہ تعالیٰ آج دنیا میں عالم کفر کو مہلت دے رہا ہے اور روزگار دنیا آگے بڑھا رہے ہیں۔

09۔ ختم نبوت کے بعد کے ادوار میں جہاں تک مسلمانوں کا معاملہ ہے تو اس باب میں قرآن مجید کا بیان بڑا واضح اور دوٹوک ہے۔

(i) جب تک مسلمانوں نے مجموعی طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کو سینے سے لگائے رکھا اور انفرادی و اجتماعی زندگی میں اس پر عمل کرتے رہے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں عزت دی اور اقتدار دیے رکھا (55:24) مگر جن مسلمانوں نے اللہ کے دین کو پس پشت ڈال دیا تو زوال سے دوچار ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزائیں اور عذاب آئے۔

(ii) حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں ان کی تعلیمات اور ان کا دین آفاقی اور بین الاقوامی ہے لہٰذا ـــــ اب ان کی اُمت بھی آفاقی ہے اور اس دین کا میدان عمل پوری دنیا کی اقوام ہیں۔ اس اُمت میں کئی نسلیں، کئی زبانیں، کئی تہذیبیں، کئی رنگ کے لوگ شامل ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر ایک قوم کو کسی علاقے میں سزا دی گئی تو دوسری قوم نے آگے بڑھ کر اسلام کے گرتے ہوئے جھنڈے کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور دنیا میں عزت و اقتدار پا گئی عربوں کے زوال (1258ء) کے بعد سلجوق، تاتار، ترک اور مغل اس کی مثالیں ہیں۔ پھر مسلمانوں میں کوئی ذات پات، رنگ نسل، پیشے اور حیثیت کی بنیاد پر تقسیم نہیں ہے۔ لہٰذا ـــــ بظاہر غلام لوگ بھی دین سیکھ کر اعلیٰ مقام حاصل کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمرانی بھی عطا کر دی۔ ہند میں خاندانِ غلاماں حکمران رہا ہے۔ (1256ء)

(iii) مسلمانوں پر پہلا زوال آیا تو چنگیز خان اور ہلاکو خان کے ہاتھوں مسلمانوں کو سزا ملی اور دوسرا زوال آیا تو یورپی اقوام کا تسلط ہو گیا اور مسلمان غلامی میں چلے گئے (1857ء) پہلی جنگ عظیم کے بعد ترکی کے سوا کوئی مسلمان ملک آزاد نہ رہا اور پورا عالم اسلام عالمی مغربی صہیونی استعمار کی غلامی میں آ گیا۔

(iv) حضرت محمد ﷺ کا دین چونکہ آفاقی ہے اور آپ ﷺ نہ صرف آج سے چودہ صدیاں پہلے کیلئے نبی تھے بلکہ اُس وقت بھی پوری دنیا کے لئے نبی تھے اور آج بھی انہیں (حضرت محمد ﷺ)

کا دورِ نبوت و رسالت جاری ہے لہٰذا اُمت مسلمہ کے ہاتھوں حضرت محمد ﷺ کا لایا ہوا عادلانہ نظام کسی ایک ملک سے جاری ہو کر آفاقی اور گلوبل (GLOBAL) اقتدار حاصل کر کے رہے گا۔ گزشتہ صدی کے دوران دورِ غلامی کی تاریکی میں ہی اس دورِ مسعود کے آثار شروع ہو گئے تھے اور گزشتہ ایک صدی میں مسلمانوں نے اس ضمن میں بہت سی کامیابیاں حاصل کی ہیں اور آج (2014ء) میں بھی یہ سفر جاری ہے اور مسلمانوں کا ایک طبقہ اس ضمن میں جدوجہد میں مصروف ہے۔

(v) دین سے دوری کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا ضابطہ یہ ہے کہ ختم نبوت کے بعد ـــــ مسلمانوں پر عذاب الٰہی آئے گا۔ اس لئے کہ کافر (NON-MUSLIMS) کو تو تبلیغ دین کا حق ادا کر کے آسمانی ہدایت پہنچائی نہیں گئی جبکہ ـــــ آج کے مسلمان تو اس حضرت محمد ﷺ کے اُمتی ہونے کے دعویدار ہیں اور آسمانی ہدایت کو صرف مانتے ہی نہیں اس کے دعویدار اور علمبردار بھی ہیں۔ لہٰذا ـــــ مجموعی بے عملی کے نتیجے میں ختم نبوت کے بعد عذابِ الٰہی مسلمانوں پر آتا ہے۔ پہلے بھی آتا رہا اور آج کے مسلمان بھی چونکہ اللہ کی نافرمانی کر رہے ہیں اور مجموعی طور پر 60 آزاد مسلمان ممالک ہونے کے باوجود کسی ایک ملک میں بھی اللہ کا دین اور خدا شناسی کا جذبہ غالب نہیں ہے اور انفرادی و اجتماعی سطح پر عمل درآمد نہیں ہو رہا۔ لہٰذا ـــــ آج کے مسلمان بالعموم عالمی سطح پر عذاب الٰہی کی گرفت میں ہے۔

10۔ آج کے مسلمان توبہ کر کے اپنے آفاقی دین (جس میں انفرادی سطح پر احکام ہیں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے علاوہ سچائی، امانت، دیانت کی اقدار ہیں۔ سماجی سطح پر شرم و حیا، پردہ، مساواتِ انسانی، عورت کا احترام ہے اقتصادی سطح پر سود، جوا اور لاٹری کا خاتمہ، کفالت عامّہ یعنی مسلم اور غیر مسلم تمام شہریوں کے لئے روٹی کپڑا مکان، علاج معالجہ اور تعلیم کا انتظام ہے، عدل و انصاف کی مفت فراہمی ہے اور ذِمّیوں کے حقوق ہیں۔ سیاسی سطح پر تمام انسان برابر ہیں کوئی خاندان، کوئی ذات، کوئی برادری کسی دوسری برادری سے اعلیٰ و افضل نہیں، کوئی علاقہ کوئی رنگ کوئی نسل اعلیٰ نہیں اور کوئی دوسری گھٹیا نہیں، مساوات انسانی ہے اور اہل افراد کو ملکی ذمہ داریاں دی جائیں گی جو زیادہ اچھے مسلمان ہوں گے) پر عمل کر کے دنیا کو نمونہ دکھائیں تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق اس دین کو آفاقی غلبہ عطا فرما دیں گے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ موجودہ مسلمانوں کو

سزا دے کر کسی اور قوم کو اسلام کا کلمہ پڑھا کر مسلمان ہونے کی توفیق دے دیں گے وہ تاتاریوں کی طرح اسلام پر عمل کر کے اور اس کو دنیا میں غالب کر کے سرخرو ہو جائیں گے۔ اسلام کا مستقبل کسی خاص ملک، کسی خاص خاندان، کسی خاص نسل سے وابستہ نہیں بلکہ ایسے انسانوں سے وابستہ جو واقعی سچے دل سے دین پر عمل کریں اور جد بہ جہاد سے آگے بڑھ کر رکاوٹوں کو دور کر کے اسے دنیا پر غالب کر دیں اور ایک اسلامی عالمی جمہوری فلاحی ریاست کا نقشہ دنیا کو دکھا دیں جہاں ذات پات کی تمیز نہیں ہوگی آقا و بندہ کی تمیز نہیں ہوگی مساوات اور بنیادی انسانی ضروریات (کفالت عامہ) کا اہتمام ہوگا اور مسلم و غیر مسلم ان برکات اور نعمتوں سے برابر فیضیاب ہو سکیں گے۔ ان شاء اللہ

قرآن مجید میں بیان کردہ اس قانون عروج و زوال سے کوئی قوم مستثنیٰ نہیں ہے حتیٰ کہ مسلمان بھی، اسلام کی یہی خوبی انسانیت کی مشترکہ متاع ہے اور دنیا ایسی ہی عادلانہ مساویانہ اقدار کی تلاش میں ہے اور تجربات کر رہی ہے۔ کاش مسلمان اپنے پاس موجود آسمانی ہدایت کی دولت بے بہا کو عام کریں اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو خدا بیزاری کے عذاب سے نکال کر خدا شناسی کی برکات سے مالا مال کر دیں یعنی دکھ، کرب، محرومیوں، ظلم، ناانصافی، سماجی اونچ نیچ، بھوک، اِفلاس، ہوس، زر پرستی، لوٹ کھسوٹ سے نجات دلا دیں اور دکھی انسانیت کی دعائیں لیں۔

باب 4

ہندو نظریات کی آئینہ دار

یعنی

ہندو تہذیب وثقافت واقدار

فن تعمیر

اکل وشرب

معاشرے کے کمزور طبقات سے رویہ

مسلمانوں سے رویہ

حاصل کلام

01۔ آج دنیا کی آبادی 750 کروڑ سے زیادہ ہے اور یہ انسانیت مختلف قوموں، نسلوں، ملکوں اور تہذیبوں میں منقسم ہے۔ مجموعی طور پر تمام انسانیت خداشناسی اور خدابیزاری کے نظریات میں منقسم ہے۔ خدا بیزاری کے نظریات کے حامل ملک، اقوام اور نسلیں اپنی الگ اقدار (VALUE STRUCTURE) رکھتی ہیں۔ تفصیلات میں جائیں تو مختلف اقوام میں رنگ، نسل، زبان کے فرق کے ساتھ ان اقدار کی عملی شکلوں (کھانے، لباس وغیرہ) میں معمولی اختلاف ہوسکتے ہیں جو قابل عفو (NEGLIGIBLE) ہیں ـــــ اسی طرح خداشناسی کے حامل ملک، اقوام اور نسلیں اپنی علیحدہ شناخت اور اقدار (VALUE STRUCTURE) کی علمبردار ہیں۔ خدابیزاری اور خداشناسی کے علمبرداروں کے درمیان ان اقدار (VALUES) کا بڑا نمایاں فرق ہے۔

02۔ اس عنوان کے تحت آگے کے صفحات میں ہم یہاں مختلف اقوام اور ممالک کے مذہبی عقائد نظریات کے حق و باطل ہونے کی بحث نہیں چھڑیں گے یہ بحث دونوں طرف کے علماء اور معزز مذہبی شخصیات کا کام ہے۔ ہم یہاں ہندو مسلم کشاکش کے پس منظر میں ان دونوں اقوام کے افراد جو جنوبی ایشیا میں آباد ہیں ان کی اقدار (VALUE STRUCTURE) کو سامنے لائیں گے اور اس کے تقابل میں منصف مزاج لوگوں کو دعوتِ فکر دیں گے کہ وہ اس پر غور کریں کہ ان اقدار پر غور فرمائیں اور ضرورت محسوس کریں تو آگے بڑھ کر جو غلطی پر ہو اس کی اصلاح فرمائیں۔

03۔ دنیا میں ہر تہذیب کے پس پردہ کچھ نظریات کارفرما ہوتے ہیں جن پر اس تہذیب کے افراد عمل کرتے ہیں اور ان نظریات کے کچھ مقتضیات ہوتے ہیں جن کو پورا کرنے کے لئے تہذیب اور ثقافت وجود میں آتی ہے مثلاً لباس انسان کی ضرورت ہے اور کسی قوم کے نظریات کی

روشنی میں ہی اس قوم کے افراد اپنے لباس کو اختیار کریں گے لباس کے نت نئے ڈیزائن بنیں گے تو ان نظریات کی حدود کے اندر ہی بنیں گے اور قوم ان پر عمل درآمد کرے گی بالفاظِ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ کسی قوم کی تہذیب وثقافت ہی اس قوم کے نظریات کی آئینہ دار ہوتی ہے اور صحیح ترین عکاسی کرتی ہے۔ یہ بات اتنی صحیح اور حتمی ہے کہ اس کا عکس (CONVERSE) بھی اتنا ہی درست ہے یعنی کسی قوم کا لباس اور رہن سہن دیکھ کر اس کے نظریات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ گویا تہذیب وثقافت ـــــ کسی گروہِ انسانی کے افکار ونظریات کی پہچان اور آئینہ دار ہوتی ہے اور کسی نئے اٹھنے والے گروہِ انسانی کے نظریات سے اہل علم اندازہ لگایا جاسکتے ہیں کہ اس کے تحت وجود میں آنے والی تہذیب وثقافت کیا ہوگی۔

اس سلسلے میں ہم ہندو تہذیب وثقافت اور اقدار کے صرف چار پہلوؤں پر گفتگو کریں گے

1۔ فن تعمیر

2۔ اکل وشرب (خوراک اور غذا)

3۔ کمزور طبقات سے رویّے (خواتین، غلام وغیرہ)

4۔ مسلمانوں سے شودروں والا رویہّ کیوں؟

1۔ فن تعمیر

زندگی میں رہنا سہنا، مکان بنانا، کھانا پینا، سب معاشروں کی یکساں ضرورت ہے ہر مذہب اور نظریہ کے لوگ جب کمزور رہوں تب بھی اور طاقتور ہو کر وسیع علاقے پر چھا جائیں تب بھی زندگی کے مشاغل میں نفاست ورکھ رکھاؤ میں فرق آجاتا ہے اور آسانیاں پیدا کرلی جاتی ہیں وگرنہ ضروریات اور تقاضے تو وہی رہتے ہیں۔ ہر انسان کو ہر روز رفع حاجت کے لئے علیحدگی درکار ہے پھر اس نجاست کو ٹھکانے لگانے اور نکاسی کی ضرورت ہے قدیم معاشروں اور کم ترقی یافتہ علاقوں میں لوگ بے آباد جگہوں اور کھیتوں میں چلے جاتے ہیں جبکہ گنجان آبادیوں میں گھر میں ایسی جگہیں بنائی جاتی ہیں جوں جوں دنیاوی ترقی اور سہولیات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اس ضرورت کو نفیس سے نفیس بنایا جاتا ہے آج آسودہ حال لوگوں کے باتھ روم بے شمار سہولتوں سے مزین ہیں، حتیٰ کہ

امراء کے ہاں باتھ روم میں کرسیاں، لان، دھوپ کا انتظام، میوزک، ویڈیو کا سامان، آڈیو ویڈیو لائبریری کتابیں ورزش کا سامان اور دیگر لوازمات رکھے جاتے ہیں لہٰذا ـــــ دن کا ایک بڑا حصہ بھی باتھ روم میں گزرتا ہے اسی طرح دیگر لوازمات زندگی، کچن، بیڈروم گھروں کی سجاوٹ وغیرہ کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

ترقی کے ساتھ تعمیرات کا فن بھی ترقی کرتا ہے گھاس بھوس کی چھونپڑی سے آگے بڑھ کر جب آسودہ حالی آتی ہے تو پکے مکانات ان کے نقش و نگار بیرونی خوبصورتی تعمیراتی حسن (ARCHITECTURAL BEAUTY) اور اندرونی سجاوٹ دیواروں کے نقوش، چھت (CEILING) کے نقوش میز، کرسیاں، قالین، کراری، کھانے پینے کا سامان، دیواری تصاویر، سجاوٹ کا سامان (INTERIOR DECORATION) وغیرہ میں مقابلہ بازی اور زیادہ سے زیادہ نئی اور انوکھی (نادر) اشیاء جمع کرنے کا غیر اعلانیہ مقابلہ شروع ہو جاتا ہے

یہاں آکر فن تعمیر بہت زیادہ اہمیّت اختیار کر جاتا ہے۔ دیوار اور چھت تو کمرے میں ہوگی مگر اس دیوار اور چھت اور کمرے کے اندر جو نقوش، تصاویر، اشارات، کھلونے، قبائلی و قومی نشانات سجائے جائیں گے وہ بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اور ان کو دیکھ کر ہی کسی انسان اور قوم کی سوچ، خیالات، ترجیحات اور نظریات کا پتہ چلتا ہے۔

ہندو ذہن اور بالخصوص جین مت کا ذہن اس سلسلے میں قابل توجہ ہے یہ چیز قدیم یونانیوں، رومی بادشاہوں میں بھی دیکھی جاسکتی ہے مسلمان بادشاہوں اور اہل ثروت کے ہاں بھی رہی ہے آج بھی عربوں کو دیکھ لیں اور امریکہ میں ہالی وڈ کو دیکھ لیں ـــــ ہر قوم کے ذہن کو اس قوم کے نقاش، فنکار، سنگ تراش، معمار، آرٹسٹ، شاعر ذہن سے دیواروں پر منتقل کر رہے ہیں۔

فن تعمیر میں یونانیوں کے ہاں بھی بت پرستی کے نظریات کی وجہ سے بت بنائے گئے اور ہر جگہ انسانی بت تراشا گیا مردانہ جسم کو نمایاں کیا گیا۔ جب عیاشی کا عنصر ساتھ آتا ہے تو نسوانی حسن کو نمایاں کیا جانے لگتا ہے یہی ذہن پھر چوکوں، چوراہوں میں خوبصورتی کے لئے کتبوں کے ساتھ آرٹ اور صناعی کے نمونوں کی صورت میں سامنے آتا ہے یونانیوں کے مشہور سنگ تراشی کے نمونے انسانی جسموں کی بلا لحاظ نمائش اور بے حیائی کے مناظر کے سوا کچھ نہیں۔ پھر یہی نشانات

کسی قوم کے لئے ان کے قومی نشانات بن جاتے ہیں۔

پاکستان میں 1940ء میں تحریک پاکستان کے آغاز کے لئے شاہی مسجد لاہور کے پاس ایک اجتماع ہوا تھا جس کی یاد میں نشانی کے طور پر مینار پاکستان بنایا گیا۔ اب وہ ہمارا قومی نشان اور پہچان بن گیا ہے ہر جھنڈے، کاپی کتاب پر بنایا جاتا ہے سکولوں کالجوں میں اس کے ماڈل رکھے جاتے ہیں۔ یونانی مذہب میں یہی نشانات بے لباس ننگے بت ہوتے تھے اسی میں مردوں عورتوں کو بے حیائی و فحاشی کے مناظر کے ساتھ نمایاں کیا جاتا تھا پھر یہی ان کے نشانات بنے اور ان کے ماڈل اور منی ماڈل ڈرائنگ روموں اور مہمان خانوں کی زینت بن کر یونانی قوم کی پہچان بن گئے۔

ہندو قوم نے اس معاملے میں دنیا کی دوسری اقوام سے بے ہودگی اور بے حیائی کے مناظر میں کہیں آگے بڑھ کر اپنے نظریات کو اُجاگر کیا ہے۔ دو ہزار سال قبل چندر سور یہ گپتا اور آشوک کی حکمرانی میں بھی اسی طرح کی باتیں تھیں اور ٹیکسلا اور گندھارا تہذیب کے دوسرے نشانات سے بھی یہی عیاں ہے مگر جو کچھ پہلی صدی عیسوی سے لے کر 800ء تک جین مت کے آسودہ حال طبقات نے اپنے دورِ عروج میں مندروں کی تعمیر میں اپنے سنگ تراشی کے ماہرانہ نمونے بنا کر اس میں اپنے نظریات سمو دیے ہیں۔ اس کے تذکرے اور تفاصیل کے بیان کرنے سے بھی دنیا کا ہر معقول آدمی گھٹن محسوس کرتا ہے کجا یہ ہے کہ یہ مندر ان کی عبادت گاہوں کے طور پر بنائے گئے اور وہاں جین مت کے پیروکار مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے 'گیان' حاصل کرنے اور اپنے ربّ کی معرفت کے لئے آتے ہوں گے۔ درانحالیکہ وہاں کسی مرد کا اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اکٹھے چلے جانا بھی ممکن نہیں نہ معلوم ہندو وہاں اپنے اہل وعیال کے ساتھ کیسے جاتا تھا اور جاتا ہے۔ وسطی ہند کے علاقے میں کھجوراہو مندر آج بھارت کا مذہبی تاریخی سرمایہ ہیں اور اہمیت کے لحاظ سے UNO کے تحت ورلڈ ہرٹیج (WORLD HERITAGE) ہیں اور دنیا بھر سے بے حیائی، عریانیت اور فحاشی کے دلدادہ لاتعداد لوگ وہاں کھنچے چلے آتے ہیں۔ ویسے گرے ہوئے معاشروں اور خدا بیزاری کے نظریات کے حامل لوگوں کو کسی جگہ جمع کرنا مقصود ہو تو یہی ناچ گانا، بے حیائی، عریانیت، بدکاری کے عوامل کو ہی اُجاگر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آج عالمی کھیل ورلڈ

اولمپکس (WORLD OLYMICS) اسی قسم کا عالمی تہوار ہے جس ملک میں بدقسمتی سے یہ تہوار رکھ دیا جاتا ہے وہاں دنیا بھر کے عیاش، بے حیا، فحاشی کے رسیا، آزاد خیال، لبرل، سیکولر لوگ جو اپنے ماحول میں گھٹن محسوس کرتے ہیں وہاں آزادی سے اپنے 'دل' کے ارمان پورے کر لیتے ہیں اور اس ملک کی اخلاقی حالت کا اگر کوئی پہلے سے معیار تھا بھی تو اس کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ (یہی آج کے عالمی سیکولر صہیونی دماغوں کا ایجنڈا بھی ہے۔)

اگر نظریات سے ہی انسانی فنون غذا پاتے ہیں تو فوری تقابل کے لئے ذرا غور کیجئے اسی ہندوسندھ میں 1200ء سے لے کر 1857ء تک مسلمانوں کو بھی عروج ملا ہے اور انہوں نے بلاشرکت غیرے حکمرانی کی ہے۔ تاہم مسلم نظریات قطب الدین ایبک کا قطب مینار (آج بھی دہلی کی سرزمین پر ایستادہ پاکیزگی، نظریاتی حسن، سوچ کے نکھار اور انسان دوستی کے ساتھ خداشناسی کے انسانی افکار کی خوشبو بکھیر رہا ہے) مساجد، قلعے، مقابر وغیرہ مسلمان بادشاہوں کے نظریات وافکار کو بے زبانی کی زبان میں واشگاف الفاظ میں بیان کر رہے ہیں، جہانگیر کا مقبرہ ہو یا شہنشاہ اکبر کا وہاں بت، بے حیائی، عریانی، فحاشی اور اخلاقی گراوٹ کا کوئی ادنیٰ منظر اور اشارہ بھی نہیں ملے گا۔ شہنشاہ اکبر مسلمانوں کے نزدیک مرتد بادشاہ تھا اسلام سے کنارہ کش ہو گیا تھا سلطنت بچانے کے لئے غیر مسلموں کے سے رکھ رکھاؤ اور شعائر اپنا لیے تھے۔ اس کے بیٹے جہانگیر نے بھی باپ کے بعد عرصے تک اپنے گندے نظریات میں غوطے کھا کر توبہ کی۔ مگر جہانگیر نے بھی اپنے باپ کا مقبرہ تعمیر کرایا اس میں قرآنی آیات، تعمیراتی حسن، آہنگ، قوسیں، پھول، محرابیں، انسان کے کمالِ سنگ تراشی کی نفاست سب کچھ ہے مگر بے لباس بت، عریانیت، فحاشی، بے حیائی کسی مرد یا عورت کا بت وغیرہ کا سراغ نہیں ہے۔ (اب 1947ء کے بعد ہندو ذہن نے وہاں یہ باتیں پیدا کر دی ہوں تو دوسری بات ہے)

2۔ اَکل وشرب

ہر انسانی معاشرہ انسانوں سے ہی مل کر بنتا ہے اور ہر انسان ـــــ کی بعض ناگزیر ضرورتیں ہوتی ہیں جو ہر قدیم وجدید معاشرہ کا جزو لاینفک ہیں۔ ایسی ہی انسانی ضرورتوں میں سے کھانا اور پینا (اکل وشرب) ہے۔

کھانا اور پینا اور انسان کی ایسی ناگزیر ضرورت ہے کہ اس کے بغیر انسان کی زندگی گزر ہی نہیں سکتی اور یہ ہر روز کئی مرتبہ کی ضرورت ہے۔ کھانے پینے کی اشیاء خالق کائنات نے وافر مقدار میں دنیا میں پیدا کی ہیں پھر ان ضروریاتِ زندگی کے لئے محنت کے ضابطے بنائے ہیں جو ساری دنیا میں معروف ہیں۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کچھ لوگ وسائل رزق پر قبضہ کر لیتے ہیں اور بعض دوسرے اپنے جیسے انسانوں کے لئے زندگی اجیرن بنا دیتے ہیں۔ یہاں سے یہ بات فیصلہ کن بن جاتی ہیں کہ کھانا پینا تو انسانی ضرورت ہے ہی جو کچھ ماحول میں میسر ہے کھا لیا جائے۔ وحشی اور غیر متمدن معاشرے تو ایسے ہیں (اور انہیں ایسا ہی ہونا چاہئے کہ وہاں کھانے پینے کے معاملے میں صرف فوری طور پر میسّر (AVILABLE) ہونا ہی سب سے بڑی دلیل ہے۔ چنانچہ غیر مہذب انسانی قبائل اور سائبیریا کے برفانی علاقوں میں 'اکل وشرب' کے ضمن میں کیا کھانا ہے؟ یعنی حلال ہے اور کیا نہیں کھانا یعنی حرام ہے اس کا کوئی پیمانہ ہے ہی نہیں۔ یخ بستہ ماحول میں کئی کئی مہینے کمروں میں بند ہیں۔ ناگہانی صورتوں اور وسائل کی کمی کی وجہ سے بے شمار ایسی صورتیں ہو جاتی ہیں جہاں وہ لوگ انسانیت سے بہت نیچے اُتر جاتے ہیں۔ مگر وہاں یہ مجبوری ہے اپنا پیشاب پی جانا کہ گرما گرم مشروب ہے، جانوروں کا پیشاب پی جانا، جانوروں کی گندگی کھانا اور انسان کا اپنی گندگی کھا جانا کہ کسی جدید ہوٹل کے ماحول کی طرح گرما گرم ڈش ہے حشرات الارض کھانا اور گائے بکری کے جسم میں وہ اعضاء کھا جانا جو تہذیب کی علامت معاشروں میں نہیں کھائے جاتے (مسلمانوں کے لئے ان کے پیغمبر ﷺ نے بکری کو حلال ہونے کے باوجود پہلے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے تا کہ خون بہہ جائے (DRAIN OFF) ہو جائے مگر پست نظریات کے حامل معاشروں اور وسائل کی کمی کا شکار انسانی آبادیوں میں یہ بات عام ہے اسی میں مردار جانور کا گوشت کھا جانا بھی شامل ہے۔

☆ مگر حیرت ہے بلکہ افسوس کہ بعض آسودہ حال معاشرے اور ان کے آسودہ طبقات اصولی اور نظریاتی طور پر بعض ایسی چیزوں کو حلال یعنی قابل استعمال اور قابل قدر سمجھتے ہیں اور ایک اچھائی کے طور پر لیتے ہیں۔ مثلاً ہندو بھارت کے ایک وزیر اعظم (1980ء کے لگ بھگ) شری مرار جی ڈیسائی خود برملا کہتے تھے (اور نیٹ پر اب بھی ان کی یہ بات موجود ہے) میں اپنا پیشاب

جمع کرتا رہتا ہوں اور چوبیس گھنٹے بعد دوبارہ پی جاتا ہوں۔ دورِ حاضر میں تہذیب وتمدن کا سورج نصف النہار پر ہو بھارت جیسے عظیم ملک کا وزیراعظم اور یہ بات کہہ رہا ہو اور عمل کر رہا ہو برملا اخبارات میں اس کا اظہار ہو ـــــ ہندو نظریاتی سوچ کا پتہ دیتی ہے۔

☆ بالعموم انسانی سوچ کا مظہر یہ ہے کہ مہذب معاشروں میں جانوروں کا فضلہ پیشاب ضائع کردیے جاتے ہیں اور ناپاک تصور ہوتے ہیں جبکہ ہندو معاشرہ عجیب ہے وہ گائے کے پیشاب کو دنیا کی سب سے زیادہ پاکیزہ (HYGENIC) اور صحت بخش مشروب (TONIC) سمجھتا ہے۔ چنانچہ قدیم ہندو معاشرہ میں بھی اور آج کے ترقی یافتہ دور اکیسویں صدی میں بھی ہندو گھر کے کچن میں گائے کا پیشاب چھڑکتے ہیں کہ اب یہ جگہ پاک یا پوتر ہوگئی ہے گائے کا پیشاب پینا ان کے نزدیک عام بات ہے۔ ماکولات ومشروبات میں گائے کے پیشاب کا استعمال ایک معمولی بات ہے۔ بھارت میں گائے کا پیشاب PACK ملتا ہے (چھوٹی بڑی پیکنگ میں) گائے کے پیشاب میں ان کے بچے نہاتے ہیں اور جیسے ہمارے ہاں گائے کا دودھ پیتے ہیں اور خالص تازہ دودھ دیہاتی لوگ تھنوں میں سے براہ راست منہ لگا کر پیتے ہیں۔ اسی طرح ہندو گائے کا پیشاب منہ لگا کر پیتے نظر آتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل ہندو معاشرتی سوچ اور ان کے مذہبی تصورات ونظریات کا پتہ دیتی ہے یہ ان کی تہذیب وثقافت ہے۔

اسی طرح دوسرے جانوروں کا پیشاب عام حالات میں بھی استعمال کر لینا ان کے ہاں کوئی مضائقہ والی بات نہیں ہے ویسے جاپان، کوریا اور دیگر ممالک میں (اور یہ سائبیرین کلچر ہے) جانوروں کا پیشاب ازقسم شیر، گدھا وغیرہ PACK ملتا ہے (اصلی یا جعلی) اور لوگ کھانوں پر چھڑک کر کھاتے ہیں۔

جو معاشرہ انسانی پیشاب اور جانوروں کا پیشاب پی لیتا ہے اور یہ ان کا فخریہ کلچر ہو تہذیب و ثقافت ہو ـــــ وزیراعظم صاحب برملا کہہ رہے ہوں ـــــ اس معاشرے میں جانوروں اور انسانوں کی گندگی (اپنی گندگی) کھالینا کسی اصول سے منع نہیں ہوسکتا۔

(اسی طرح سائبیرین کلچر میں سردی کے موسم میں یخ ہواؤں میں حرارت حاصل کرنے کے لئے گھریلو جانوروں کتا، بلی وغیرہ کو بستر میں ساتھ سلا لینا عام ہے اور یہیں سے یہ بات آج

ترقی یافتہ معاشروں میں BEASTALITY تک پہنچ چکی ہے افسوس کہ انسان جب گرتا ہے تو واقعی اسفل السافلین میں سے ہو جاتا ہے)

3۔ معاشرے کے کمزور طبقات (خواتین، نوکر غلام وغیرہ) سے رویہّ

دنیا کے مہذب معاشروں میں آج نہیں جب سے تاریخ معلوم ہے اس وقت سے انسان کی تکریم اور مساوات انسانی ایک مثبت قدر سمجھی جاتی ہے اور انسانوں کو کالا انسان اور گورا انسان سمجھ کر اعلیٰ وادنیٰ یا اچھے بُرے کا لیبل لگا دینا تذلیل وتوہین سمجھا گیا ہے۔

علاقہ، پیشہ، نسل، چمڑی کا رنگ، مالی حالت (امیر وغریب) اور معاشرتی حالت کی وجہ سے شرفِ انسانی کا فیصلہ کرنا یہ ننگ انسانیت ہے۔ انسان کی اچھائی بُرائی تو اس کے رویّوں، اخلاق، باہمی میل ملاپ کے طریقے (INTERACTION) سے طے ہونا چاہئے۔ اس میں سچائی، امانت، دیانت، خدمت خلق اور انسانوں کیا جانوروں کی نفع رسانی کی بنیاد پر انسانی شرافت کا معیار طے ہونا چاہئے نہ کہ رنگ ونسل پر۔ اسی طرح رنگ ونسل تو یقینی طور پر نا قابل تغیر شے ہے یعنی کالا انسان ہمیشہ کالا ہی رہے گا برہمن نسلی اعتبار سے برہمن ہی رہے گا جہاں مرضی چلا جائے۔ جرمن، جرمن ہی رہے گا یہودی یہودی ہی رہے گا، انسانی شرافت اور وقار کا یہ معیار بنا لیا جائے تو اس معاشرے نے اپنی کسی فطری ونظری (IN-BUILT) کج فہمی کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا ہے۔ رنگ نسل زبان وعلاقہ کی بنیاد پر شرافت کا معیار طے کرنا ـــــ تاریخ کے ہر دور میں ایک برائی (EVIL) ہی سمجھا گیا ہے۔

مگر کیا کیا جائے جین مت کے دور سے 1500 ق م کے لگ بھگ سے ہندو قوم نے ذات پات کی تقسیم (CASTE SYSTEM) کی بنیاد ڈالی اور معاشرے کو مستقلاً برہمن (مذہبی پیشوا اور اشرافیہ) کھشتری (جنگجو لوگ، اہل علم)، دیش (تاجر ودکاندار وغیرہ) اور شودر (کھیتوں، گھروں، کارخانوں میں کام کرنے والے، خاکروب وغیرہ) اور بعض علاقوں میں 'دلت' خاکروب پیشہ انسانوں کو شودروں کا بھی سب سے BOTTOM لیول قرار دیا گیا اور یہ تقسیم ان کے نزدیک تین ہزار سال سے ایک دائمی (PERMANENT) اور غیر مبدلشئے ہے۔

اس معاشرتی تصور اور رویہ کے ساتھ معاشرے کے کمزور طبقات خواتین، مزدور،

زرعی کارکن اور صنعتی ورکرز سب کے سب نیچ ذات کے لوگ سمجھے جاتے ہیں۔شودروں پر تو اس قدر پابندی ہے کہ وہ 'مندر' میں داخل بھی نہیں ہو سکتے۔ وہ مذہبی کتاب کے الفاظ سن نہیں سکتے۔ گویا اس طبقے کو پتہ بھی نہیں چلنا چاہئے کہ ان کا مقتدر طبقہ کیا سوچتا اور کیا کہتا ہے۔

اکیسویں صدی میں UNO کے چارٹر کو مانتے ہوئے بھی بھارت میں یہ تقسیم اٹل اور نا قابل تغیّر ہے مگر مغرب پھر بھی بھارت کو گلے لگائے ہوئے ہے۔ اس کی کوئی معقول تشریح ممکن نہیں سوائے اس کے کہ خدا بیزار اور سیکولر مزاج کے لوگ کہیں بھی ہوں ایک ہوتے ہیں اور ان کے نزدیک اصل مشترک دشمن 'خدا شناسی' کا جذبہ ہے۔ لہٰذا جہاں کہیں دنیا میں خدا شناسی کا جذبہ نظر آئے، انسان دوستی علم دوستی، اخلاق دوستی اور 'وحی' کا ذکر ہو وہاں حملہ آور ہو جاؤ اور جہاں خدا بیزاری ہو، انسان دشمنی، علم دشمنی اور اخلاق دشمنی ہو اس کو گلے لگا لو چاہے اس میں کتنے ہی عیب ہوں۔

4۔ مسلمانوں سے رویّہ

رویّے ہی انسان کے نظریات کا پتہ دیتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ FACE IS INDEX OF MIND ہوتا ہے اسی طرح ـــــ انسانی رویّے ہی دماغِ انسانی میں موجزن خیالات کی لہروں کی شدت (WAVELENGTH یا PITCH) کا پتہ دیتی ہے۔

مسلمانوں سے رویّہ ـــــ ہندو نظریات کا عکاس ہے

ہندو کا اصولی طور پر مسلمانوں سے رویّہ شودروں جیسا ہے، سیاسی طور پر مفادات حاصل کرنے کے لئے یا امریکہ اور G8 سے کوئی امداد لینے کے لئے کسی فوٹو سیشن کی ضرورت ہو اور ہندو مقتدر ذہن کوئی اور رویّہ اپنا لے تو الگ بات مگر درحقیقت ہندو ذہن کی سوچ اور ہندو ذہن کا اندرونی IMPRINT یہی ہے۔

زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ 1947ء سے پہلے کے برطانوی ہند میں ریلوے کا نظام تھا، مسافروں کے لئے سہولیات تھیں پینے کا پانی ایک بنیادی انسانی ضرورت ہے۔ مگر..... چونکہ ہندو نظریات میں مسلمان کا گیلا ہاتھ اگر ہندو سے مَس (TOUCH) ہو جائے تو ہندو ناپاک

ہو جاتا ہے۔ لہٰذا پاک (پوتر) ہونے کے لئے اُسے نہانا ہوگا۔ یہ ہے مسلمانوں سے ان کا رویّہ اور اسی وجہ سے ریلوے اسٹیشنوں پر ہندوؤں کے لئے پانی کا الگ انتظام ہوتا ہے اور مسلمانوں کے لئے الگ۔ اسٹیشن کے ایک سرے پر مسلم پانی اور دوسرے سرے پر ہندو پانی ہوتا تھا۔ (آج کل اسلامی بم اور اسلامی دہشت گردی کی اصطلاح عام ہے مسلم پانی اور ہندو پانی اسی سوچ کا مظہر ہے جو صدیوں سے جاری ہے)

حاصل کلام

یہی وہ عام فہم منہ بولتے حقائق تھے جن پر کسی فلسفیانہ گفتگو کی ضرورت نہیں، عام مسلمان اس کو ہر روز محسوس کرتا تھا۔ چنانچہ ہندوؤں کے اسی رویّے سے آج سے ایک صدی قبل 'دوقومی نظریہ' پیدا ہوا کہ ہندو مسلم دو الگ قومیں ہیں یہ اکٹھی نہیں رہ سکتی ہیں۔ اس احساس اور اسی سلوگن نے دوقومی نظریے کی بنیاد پر تحریک پاکستان کو جنم دیا اور 1947ء میں اسی بنیاد پر پاکستان دنیا کے نقشے پر اُبھر آیا۔ اس وقت بھی ہندو مسلم یگانگت ایک دھوکا تھی اور آج بھی۔

آج ہندو ـــــ میڈیا کے ذریعے اور 'بالی وڈ' کی فلموں اور بے حیائی کے دوسرے ذرائع سے مسلمان نوجوانوں کو باور کرانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے کہ ہندو مسلم ایک ہیں اور پاکستان و بھارت کے درمیان بارڈر کی لکیر رکاوٹ ہے جو مٹادی جائے، وہ الگ بات ہے مگر ـــــ حقائق وہی ہیں جو اوپر درج ہیں۔ ہندو کا مطمع نظر یہ ہے کہ پاکستان نہ رہے یا ہندو امپریلزم کا تابع مہمل بن جائے یا سارک ممالک مدغم ہو کر یورپ کی طرح ایک مشترکہ کرنسی، مشترکہ حکومت، مشترکہ دفاع، مشترکہ پالیسیوں کے عنوان سے ایک سارک یونین بنالیں یہ سب اس ہندو ذہنیت کا شاخسانہ ہے۔ جیسے بدھ مت، ذات پات کی تقسیم کے خلاف بولا تو اسے 'ہندُ' سے نکال دیا گیا اسی طرح ہندو کے نزدیک مسلمان مساوات انسانی کے قائل ہیں جس سے ہندو تصورات پر کاری ضرب لگتی ہے لہٰذا ـــــ ہندو مسلم کشاکش مختلف انداز میں سامنے آتی رہتی ہے۔

O. God! GIVE US THE SERENITY

TO ACCEPT,THE THINGS WE CANNOT CHANGE,

AND THE COURAGE TO CHANGE THE THINGS WE CAN,

AND THE WISDOM TO KNOW THE DIFFERENCE.

یاالٰہی! ہمیں بصیرت دے کہ
ہم وہ باتیں حرزِ جان بنالیں جو ہم تبدیل نہیں کر سکتے
اور حوصلہ دے کہ وہ باتیں جو تبدیل کرنا ہمارے ذمہ ہے تبدیل کر دیں
اور حکمت عطا فرما کہ دونوں میں تمیز کر سکیں۔

باب 5

جنوبی ایشیا

ہند _ و _ سندھ

آٹھویں صدی عیسوی تک

ابتدائی انسانی آبادیاں

ہند ـــــ و ـــــ سندھ

آسمانی ہدایت اور تہذیبوں کا عروج وزوال

4000 ق م سے 800ء کے تاریخی واقعات پر طائرانہ نگاہ

مشرقِ وسطیٰ کے شمالی علاقوں سے وحشی اقوام کی یلغار

جنوبی ایشیا کی اقوام

ہند اور ہندو روایات پر آریہ کے اثرات

آریہ اور ہندو

شاہ جہاں کی تعمیرات کا حسین اور پاکیزہ شاہکار تاج محل

ہند میں علوم وفنون کی ترقی

جنوبی ایشیا میں اسلام آٹھویں صدی عیسوی (711ء) میں محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے آیا۔ اس سے پہلے عرب تاجر انڈونیشیا کی طرف تجارتی اسفار میں بحر ہند کی جن بندرگاہوں پر اترتے تھے وہاں اسلام کی کرنیں پڑنے لگی تھیں اور لوگ مسلمان ہو رہے تھے انڈونیشیا میں مسلم افواج کبھی نہیں گئیں وہاں اسلام مسلمان عرب تاجروں کے اخلاق اور اعلیٰ کاروباری اصولوں کی وجہ سے پھیلا۔

آٹھویں صدی عیسوی میں جنوبی ایشیا کے باشندے کن مراحل سے گذر کر کہاں کھڑے تھے ان کے نظریات کیا تھے ان نظریات کی روشنی میں ان کی اقدار کیا تھیں اور ان نظریات نے جس تہذیب وثقافت کو جنم دیا تھا وہ کیا تہذیب وثقافت تھی یہ سب سے اہم پہلو ہے۔

ابتدائے آفرینش کے بعد جب سے پہلے انسانی شخص کا وجود دنیا میں اتارا گیا جنوبی ایشیاء کی اہمیت مسلّم ہے۔ مسلمانوں کی بھی عام مذہبی روایات کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کے جسد خاکی کو اللہ تعالیٰ نے روحانی وجود بخشا اور مسجودِ ملائک بننے کے بعد ایک عارضی قیام گاہ (جنت) میں رکھا اور پھر مشیت الٰہی کے عین مطابق وہاں سے روئے ارضی پر اُتارا گیا۔ اس مرحلہ پر حضرت آدم علیہ السلام کو سری لنکا میں اتارا گیا، حضرت حوا سلام علیہا کو جدہ میں اتارا گیا اور میدانِ عرفات میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا سلام علیہا کی ملاقات ہوئی۔ یہ روایت سچ ہے تو جنوبی ایشیا اور سری لنکا کی اہمیت شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

نسل انسانی کی قدیم ترین آبادی کی ایک جگہ ہند اور سندھ بھی ہے چنانچہ آج سے پانچ ہزار سال پہلے بھی موہن جوداڑو اور ہڑپہ جیسے شہر آباد ہوئے جو عراق اور مصر کی تہذیبوں کے ہم عصر تھے اور تہذیب وتمدن میں بھی مشابہت تھی۔

ابتدائی انسانی آبادیاں

یہ بات مسلّمہ حقیقت ہے کہ ابتدائی انسانی آبادیاں وہیں بنائی گئیں جہاں انسانی زندگی کے لئے بنیادی وسائل یعنی پانی اور خوراک موجود تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قدیم شہر دریاؤں کے کنارے ہی آباد کئے گئے تھے کہ پانی بھی میسّر ہے اور باغات، درخت اور کھیتی باڑی کے وسائل بھی میسر ہیں۔

ابتدائی انسانی آبادیاں اور انسانی تہذیب کے تذکرے میں ہم دیکھتے ہیں کہ شمالی افریقہ، مشرق وسطیٰ، جنوب مشرقی یورپ، عرب، ایران اور جنوبی ایشیا میں افغانستان کے زیریں علاقے اور سندھ و ہند کے علاقے شامل تھے ان علاقوں میں انسانی آبادکاری کی ایک اور وجہ بھی تھی جو بہت اہم ہے مگر بالعموم اس پر توجہ نہیں دی گئی۔

روئے ارضی پر خط استواء پر گرمی پڑتی ہے اور جیسے جیسے ہم خط استواء سے شمال یا جنوب کی طرف جاتے ہیں بالعموم گرمی کم پڑتی ہے اور سردی زیادہ ہوتی ہے حتی کہ شمالی یورپ، روس کا زیادہ حصہ، سائبیریا، سکینڈے ٹیوبا کے ممالک سال کا بیشتر حصہ برف پوش رہتے ہیں پھر اور شمال کی طرف جائیں تو قطب شمالی (یا قطب جنوبی) میں تو برف ہی برف ہے آج انسان کو جدید وسائل میسر ہیں بجلی، گیس اور رابطے کے ذریعے موجود ہیں تو ان ٹھنڈے ممالک ہیں زندگی دوڑتی نظر آتی ہے وگرنہ آج سے ڈیڑھ دو صدیوں پہلے تک ان سرد ممالک میں زندگی اجیرن تھی اور سال کا بیشتر حصہ وہ اپنے گھروں میں بند رہ کر گزارتے تھے ذرائع آمد و رفت بھی زیادہ نہیں تھے۔ برطانیہ جیسے ملک کے شمالی حصوں میں دن رات کا نظام ہمارے علاقوں سے کہیں مختلف ہے۔

اس کے برعکس خط استواء سے 40 درجے شمال اور 40 درجے جنوب میں جو ممالک آتے ہیں وہاں موسم کی شدت کم ہے اور دن رات کا نظام بھی نمایاں ہے لہٰذا ـــــ ان علاقوں میں زندگی کی گہما گہمی سال کے 365 دن اور دن کے 24 گھنٹے چلتی رہتی ہے۔ دن رات کام ہوسکتا ہے لہٰذا انسانوں نے انہی علاقوں میں ڈیرے ڈالے ہیں اور جو بھی ان علاقوں میں آکر آباد ہوا ـــــ انہیں انسانوں میں خاندان، قبیلہ، معاشرہ اور اجتماعیت کے تصورات اُبھرے ہیں اور انسانوں نے وحشی پن سے نکل کر 'مہذب زندگی' اختیار کی ہے۔ ملکیت کا تصور، دوسرے کے حقوق

کا خیال، احترام جان و مال مساوات انسانی باہمی رشتوں کا احترام، امن و جنگ کے اصول وغیرہ کی بنیاد ہی دراصل خط استواء کے قریب کے علاقوں میں پڑی ہے جہاں بڑی بڑی بادشاہتیں قائم ہوئیں اور مشہور تہذیبوں نے جنم لیا۔

یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ سرد ممالک اور انتہائی شمالی علاقہ جات کے لوگوں میں اجتماعیت کا شعور کم تھا۔ دن رات، محنت مزدوری، وسائل رزق کے حصول کے لئے محنت کے مواقع کی قلّت بھی تھی لہٰذا ـــــ وہاں انسانوں کا باہمی میل جول (INTERACTION) بھی کم تھا وحشی پن، بربریت اور جنگل کے قانون کا احساس زیادہ تھا اور تہذیب وتمدن کا فقدان بھی۔

لہٰذا ـــــ ہم دیکھتے ہیں جو اقوام بھی سائبیریا اور انتہائی سرد علاقوں سے ان میدانی گرم علاقوں میں آئیں وہ یہیں کی اقوام ہو کر رہ گئیں اور یہیں تہذیب وتمدن کے ابتدائی گہوارے بھی وجود میں آئے اور امکان غالب ہے کہ آسمانی ہدایت اور وحی کا نزول اور برگزیدہ پیغمبروں کا وجود بھی انہی علاقوں میں ہوا ـــــ جہاں انسان وحشی پن (اور حیوانیت محض) سے نکل کر 'قدرے مہذب' ہو چکا تھا کہ وہ ـــــ تہذیب واخلاق کے اگلے اسباق کی قدر کر سکے اور ان کی طلب اور پیاس اپنے اندر محسوس کر کے ان کو سینے سے لگا سکے نہ صرف یہ بلکہ شعور کی بلندی کی بنا پر ان اعلیٰ اخلاقی اصولوں کا علمبردار بن کر کھڑا ہو ـــــ اور ضرورت داعی ہو تو پانی پینے پلانے پر جھگڑا اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر انسانی جان کو لینے کی بجائے اعلیٰ مقاصد کے لئے جان دینے کے لئے تیار ہو جائے۔ ذاتی اغراض سے بلند تر ہو کر اعلیٰ اخلاقی اصول اور انسانیت کی خدمت اور اس سے بھی بڑھ کر انسانوں کو آخرت کے لئے تیار کرنا، معرفت خداوندی کی طرف رہنمائی کرنا رضائے الٰہی و معرفت الٰہی کے نشاط انگیز تصورات تک اُٹھ جانا ـــــ اسی کا دوسرا نام تہذیب نفس ہے اور یہ کام کوئی دنیادار اور خدا بیزار تصورات کا حامل شخص نہیں کر سکتا بلکہ خدا شناسی کا ماحول میسر ہو تو اس فضا میں ہی اعلیٰ نظریات وتصورات اور خالق و مالک کی رضا و معرفت کی یہ باتیں زبان پر آتی ہے۔ انسان کے اندر زندہ ضمیر یعنی CONSCIENCE ہی اس کی فرشتوں سے بہتر زندگی کا ضامن ہے اور اسی پاکیزگی واعلیٰ کردار کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب اور پسندیدہ بندہ بن سکتا ہے۔

یہی سب پیغمبروں کی تعلیمات تھیں آسمانی ہدایت کا لب لباب یہی تھا اور تہذیب کی

اُٹھان اورانسان کی اخلاقی وروحانی ترقی کا مسکن یہی علاقہ بنا۔جنوبی ایشیا کے مشرقی علاقوں سے لے کرشمالی افریقہ اورجنوبی یورپ کے علاقوں سمیت یہ مسلسل جڑی ہوئی زمینی پٹی (BELT) ہے جہاں سارے بڑے پیغمبر تشریف لائے جہاں حق کے سارے مراکز وجود میں آئے جہاں بڑی بڑی شاندار تہذیبوں نے جنم لیا۔۔۔۔اورانسانیت کی بدنصیبی کہ پیغمبروں کی تعلیمات سے روگردانی کی وجہ سے بت پرستی،خدائی کے دعوے اورشرک کے عالمی مراکز بھی اسی تہذیبی اورتمدنی زمینی پٹی (BELT) میں پائے جاتے ہیں۔

ہند۔۔۔و۔۔۔سندھ

روئے ارضی کا زمانۂ قدیم سے انسانی زندگی کے لئے وسائل سے مالا مال حصہ یہی تہذیبی زمینی پٹی ہے جو40درجے شمال اور40درجے جنوب خط استواء کے اوپر نیچے پھیلی ہوئی ہے۔

جنوبی ایشیا میں ہندوسندھ اسی زمینی پٹی کا مشرقی حصہ ہے ایران افغانستان درمیانی حصہ ہے عراق شام عرب درمیان حصہ ہے۔یونان روم شمالی،بحیرہ روم شمالی ساحل اسی کا مغربی حصہ جومراکش،سپین اور پرتگال پر جا کرختم ہوجاتا ہے۔

آسمانی ہدایت اورتہذیبوں کا عروج وزوال

01۔ آج سے ہزاروں سال قبل حضرت آدم علیہ السلام (پہلے نبی اور روح وجسد کے ساتھ پہلے انسان) کے بعد سے انسان نے اپنے تجربے اورمشاہدے کی بنیاد پر مادّی علوم میں ترقی کی ہے۔مادّی علوم تجرباتی علوم ہیں اوران علوم کی دریافت،اشاعت اوران علوم کواستعمال میں لاکر صنعتی ومادّی ترقی انسان کی محنت پرمنحصر ہے اس کا مذہب سے تعلق نہیں جوقوم اس میدان میں محنت کرے گی وہ اس کا پھل پائے گی۔

02۔ آج سے پانچ ہزارسال پہلے کا انسان ان مادّی اورتجرباتی علوم میں کہاں کھڑا تھا اورآج کا انسان کہاں کھڑا ہے یہ سب ترقی مسلسل انسانی تجربات کی روشنی میں ہوئی ہے اور یہ ترقی انسانیت کی مشترکہ متاع ہے اور اس سے استفادے کا حق بھی بطور انسان سب انسانوں کا برابری کی بنیاد پر ہے۔

زراعت کی صنعت کو دیکھیں پانچ ہزار سال میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی تجرباتی علوم کی ترقی نے کیا انقلاب برپا کر دیا ہے۔ کپڑا بنانے کی صنعت کہاں سے کہاں پہنچ گئی ذرائع آمد درفت کے میدان میں کتنی تبدیلی آ چکی ہے۔ مگر اس ترقی کے ساتھ انسان نے جنگی ساز و سامان کے میدان میں بھی بلندیوں کو چھولیا ہے اور بعض ناممکنات کو بھی ممکن بنا دیا ہے۔

آج ہتھیاروں اور اسلحہ کے میدان میں ایٹمی ہتھیار، کیمیائی ہتھیار، جراثیمی ہتھیار، (بیماریاں پھیلانے والے جراثیم کا بطور ہتھیار) زہریلی گیس، مصنوعی بارشیں مصنوعی موسم، کہیں آکسیجن کی قلّت پیدا کر کے انسانوں کو مار دینا، کہیں خوراک کی کمی پیدا کر دینا یہ سب کچھ اسی انسان نے کر دیا ہے جو بظاہر مہذب اور ترقی یافتہ ہونے کا دعویٰ بھی رکھتا ہے۔

03۔ تاریخ میں دلچسپی رکھنے والا ہر انسان جانتا ہے کہ روئے ارضی پر اسی تہذیبی و ثقافتی زمینی پٹی میں اور اس کے آس پاس ہزاروں تہذیبیں اُٹھیں اور چھا گئیں، پھر انسان دشمن، اخلاق دشمن، ماحول دشمن سوچ کی وجہ سے لڑائیاں برپا ہوئیں بعض اوقات آسمانی آفات آئیں اور بعض تہذیبیں مٹ گئیں پوری پوری تہذیب (کئی لاکھ مربع کلومیٹر رقبہ پر پھیلی تہذیب) نسیاً منسیا ہوگئی روئے ارضی پر جیسے انسانوں کے مدفن میں اور قبرستان ہیں اسی طرح روئے ارضی ہزاروں تہذیبوں کا قبرستان ہے جگہ جگہ بڑے بڑے کرّ وفر والے حکمران، شہنشاہ، بادشاہ، خدائی کے دعویدار، خزانوں کے مالک، انسان دشمن لوگ، خدا بیزار قومیں تباہ شدہ بستیوں کی صورت میں زمین میں دفن ہو ہیں۔ ان کے کھنڈرات آج ہمارے سامنے ہیں۔

04۔ تاریخ دان اور مؤرخ ہمیں واقعات سناتے ہیں مگر ان تہذیبوں کی تباہی و بربادی کی وجوہات یعنی فلسفہ تاریخ پر اکثر و بیشتر بحث نہیں کرتے۔ یہ ایک اہم موضوع ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر تباہ شدہ بستیوں کے جو آثار ملے ہیں ـــــ وہ بستیاں بت پرست، خدا بیزار، آسمانی ہدایت سے عاری، عیاش، اخلاق دُشمن، انسان دشمن اور وحی دشمن لوگ تھے اور یہ بات مشرق بعید سے لے کر مراکش تک کے آثارِ قدیم کی کھدائیوں سے برآمد ہونے والے شواہد سے ظاہر ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ یہ بستیاں کیوں پیوند خاک ہوگئیں۔

اس سوال کا جواب خدا بیزار لوگ نہیں دے سکتے اور نہ دینا چاہتے ہیں کہ یہ بات ان

کے نظریات سے ٹکراتی ہے جبکہ آسمانی ہدایت اور خداشناسی کا جذبہ ہو تو ـــــ اس سوال کا جواب بڑا آسان ہے اور قابل فہم بھی اور انسانی ذہن کو متاثر (APPEAL) بھی کرتا ہے وہ جواب آسمانی ہدایت یا پیغمبروں کا بتایا ہوا ہے اور دنیا میں جاری وساری خالق کائنات کا قانون عروج وزوال ہے۔ اس بات کا مختصراً ہم پہلے بھی بیان کر آئے ہیں اب موقع کی مناسبت سے قدرے تفصیل سے اور ایک دوسرے زاویے سے بھی اس پر روشنی ڈالتے ہیں تاکہ بات قارئین کرام کے ذہن نشین ہو سکے۔

4000 ق م سے 800ء کے تاریخی واقعات پر طائرانہ نگاہ

☆ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان ایک زمانے میں تجرباتی علوم کے بالکل ابتدائی دور میں تھا۔ کپڑا بنانے کا فن، مکان بنانے کا فن ابھی 'رینگنے والے بچے' کی طرح ابتدائی مراحل میں تھے، لوہا دریافت نہیں ہوا تھا انسان نے اس دور کو 'پتھر کا زمانہ' (STONEAGE) کا نام دیا ہے۔ پتھر کے ہی اوزار رہتھیار بنائے جاتے تھے جس سے شکار کھیلا جاتا تھا جانور مارے جاتے تھے آج کی دنیا میں بھی بعض دور دراز علاقوں میں ایسے قبائل (انسانی گروہ) بستے ہیں جو ابھی اسی ابتدائی دور میں ہیں۔

☆ حضرت نوح علیہ السلام ایسے پیغمبر ہیں (جن کا ہندو لٹریچر میں بھی ذکر ہے) مہانوح سے مراد اغلباً یہی پیغمبر ہیں۔ دجلہ وفرات کے درمیانی علاقہ میں ایک انسانی آبادی تھی یہ قصبہ یا شہر انسانی آبادی کا پہلا نمونہ تھا جہاں ایک خداشناس شخص نے انسانوں کو انسان دوستی اور اخلاق دوستی کی تعلیم دی ہے ظلم زیادتی، ناانصافی لوٹ کھسوٹ سے اجتناب کا درس دیا ہے مگر ایک طویل عرصہ کی جدوجہد کے بعد بھی قوم ٹس سے مس نہ ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اپنی اولاد بھی پھیل گئی تھی وہ بھی کل اولاد ایمان نہیں لائی صرف 70 کے لگ بھگ افراد تھے جو حضرت نوح علیہ السلام کی باتوں پر ایمان لائے اور ان کا ساتھ دیتے رہے۔

بالآخر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک کشتی کے ذریعے طوفان نوح میں اہل ایمان کو بچا لیا گیا اور بقیہ ساری قوم کو غرق کر دیا گیا۔ یہ تباہی پہلی انسانی تہذیبی تباہی ہے اس قوم کے کھنڈرات کا تذکرہ نہیں ہے شاید کبھی مل جائیں۔ قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا ذکر ہے کہ وہ محفوظ ہے اور ایک زمانہ میں برآمد ہوگی لوگ پہچان لیں گے کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے جو ایک عظیم

تہذیب کی تباہی کا باعث بنی تھی۔

اس طوفان نوح کے بعد 70 کے قریب اہل ایمان تھے اور یہ تہذیبی زمینی پٹی کا وسیع علاقہ انسانیت کا قافلہ پھیلا اور بڑھ کر عظیم انسان آبادی بن گیا۔

مشرقِ وسطیٰ کے شمالی علاقوں سے وحشی اقوام کی یلغار

تاریخ واقعاتی طور پر ہمیں بتاتی ہے کہ چند صدیوں کے وقفے سے کئی مرتبہ بحیرۂ کیسپین اور بحیرہ اسود کے شمال سے غیر مہذب اقوام کی کثیر تعداد دنیا کی اس متمدن تہذیبی علاقے میں حملہ آور ہوتی رہی ہیں۔ پہلے یہ وحشی قبائل یہاں آ کر قتل وغارت کرتے تباہی پھیلاتے لوٹ مار کرتے پھر یہیں آباد ہو جاتے پھر تہذیب وتمدن سے آشنا ہو کر اس تمدنی علاقے کو اپنا وطن بنا لیتے۔ ربّ کائنات ایسے لوگوں کی ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجتا رہا۔ قوم ترقی کرتی نئی تہذیب جنم لیتی ثقافت بنتی۔ مگر ساتھ میں خدا بیزاری کے جذبات بڑھ کر انسان دشمن، وحی دشمن اور اخلاق دشمن رویّوں کا روپ دھار لیتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ جاتا اہل ایمان کی قلیل تعداد بچا لی جاتی چونکہ اس زمانے میں ذرائع آمد ورفت کم تھے لہٰذا الگ تہذیبیں سامنے آئیں۔

☆ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد مشرقِ بعید سے لے کر مراکش کے مغربی ساحل تک کئی تہذیبیں اٹھیں اور کئی نبی تشریف لائے اور خدا بیزاری کے رویوں کی وجہ سے یہ تہذیبیں اور ثقافتیں حرفِ غلط کی طرح مٹائی جاتی رہیں۔ ایک تباہی کے بعد تہذیبی اور اقتدار کا خلا پیدا ہوتا تو شمالی علاقوں سائبیریا سے وحشی قبائل کے نئے کھیپ حملہ آور ہو جاتی۔

☆ چنانچہ تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے چند صدیوں بعد تقریباً 3500 سے 3200 ق م میں یمن میں ایک قوم ـــــ قوم عاد اُٹھی اور تہذیبی طور پر چھا گئی بڑی بڑی عمارتیں بنائی گئیں اور تہذیبی اعتبار سے عروج حاصل کر لیا۔ کئی پیغمبر تشریف لائے مگر قوم کی اکثریت خدا شناسی کے بجائے خدا بیزاری کی راہ پر چل پڑی۔ چنانچہ انسان دشمن، علم دشمن، اور اخلاق دشمن رویوں کی انتہا ہوگئی تب اس قوم عاد کو تباہ وبرباد کر دیا گیا۔ اہل ایمان کو بچا لیا گیا۔ یہ اہل ایمان عرب کے شمالی علاقہ اور عمان کے علاقوں میں آباد ہوئے اور خوب پھلے پھولے۔

☆ طاقت واقتدار کے اس خلا (POWER VACUUM) کو پر کرنے کے لئے

سائبیرین اقوام کا ایک اور ریلا آیا اور اس سارے علاقے میں پھیل گیا۔ اس قوم نے پہاڑ کاٹ کر مکان بنائے، زراعت اور دوسرے شعبوں میں ترقی ہوئی۔ مگر قوم نے لوٹ مار، ظلم، ناانصافی، وسائل رزق پر قبضہ اور دھونس دھاندلی کا بازار گرم کر دیا۔ قرآن بتاتا ہے کہ اس زمانے میں ایک دو نہیں نو (9) قسم کے قبضہ گروپ (مافیا) موجود تھے اور آج کی طرح برائی کے ارتکاب اور عوام کو لوٹنے کے بارے میں ایسا اتحاد اور ایکا کی مثال نہیں ملتی۔

اللہ تعالیٰ نے کئی پیغمبر بھیجے مگر قوم کی خدا بیزاری عیاشی، بدمعاشی اور سیکولر سوچ میں اضافہ ہوتا گیا۔ خداشناسی کی بجائے آزادروی اور حیوانیت کو فروغ ملا بالآخر ایک بڑے پیغمبر آئے انہوں نے معجزات دکھائے پھر بھی عقل کی اندھی مگر روشن خیال قوم کی آنکھیں نہ کھلیں بالآخر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا اور یہ عظیم تہذیب وثقافت پیٹرا (PETRA) تہذیب کے آثار قدیمہ چھوڑ کر فنا کے گھاٹ اتر گئی، افسوس ـــــ اس مادّی طور پر ترقی یافتہ سیکولر مزاج اور روشن خیال قوم پر۔ یہ واقعہ اندازاً 2800 سے 2500 ق م کا ہے۔

☆ اس واقعہ کے بعد شمال سے یورپ سے ہوتی ہوئی سائبیرین وحشی اقوام کی ایک نئی کھیپ آ گئی اور سارے علاقے میں چھا گئی اس کھیپ کا ایک حصہ یورپ کے مشرق اور جنوبی علاقہ سے گذر کر برطانیہ تک جا پہنچا چنانچہ عراق میں ایک کلدانی حکومت بنی ایران میں کئی حکومتیں بنیں۔ یہی دور ہے جب سندھ میں موہن جوداڑو اور ہڑپہ کے شہر آباد تھے اور ایک وسیع تہذیب عروج پر تھی یہ تہذیب اپنے زمانے کی ترقی یافتہ قوم تھی۔

☆ سندھ پنجاب اور وسطی ہند کے علاقوں میں حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد اور اس کے بعد مسلسل اقوام کی آمد رہی شمال سے جنوبی ایشیا ایران اور عرب کے علاقوں میں آنے کے لئے راستے بڑے محدود تھے اس لئے کہ پہاڑی سلسلے بہت بڑی رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔

ایک راستہ مشرق میں نیپال کے قریب بڑا دشوار گذار راستہ تھا۔ دوسرا راستہ پاکستان کے شمالی حصوں میں سے ہو کر گذرتا ہے جہاں آج کل شاہراہ قراقرم بن چکی ہے جسے ماضی میں شاہراہ ریشم (SILK ROUTE) کہا جاتا تھا۔ اس راستے سے بھی منگولیا اور سائبیریا کے وحشی قبائل ادھر آتے رہے۔

تیسرا راستہ بحیرۂ کیسپین اور بحیرہ اسود کے درمیان جارجیا کا علاقہ ہے جس سے ملحق اوپر روس کا علاقہ ہے جہاں ایک دشوار گزار درّہ تھا جہاں سے وحشی قبائل نیچے اترتے رہے۔

چوتھا راستہ سائبیرین اقوام کے لیے روس اور جارجیا سے مغرب کی طرف برفانی علاقوں میں سفر کر کے پولینڈ رومانیہ سے یورپ میں داخل ہو کر پھیل جانے اور جنوب میں ترکی شام کے ذریعے عرب تک پہنچنے کا تھا۔

☆ کلدانی شہنشاہت طویل عرصہ حکمرانی کے مزے لوٹتی رہے اور صاف ظاہر ہے کہ آج حکومتوں کے لئے سارے جدید ہتھکنڈے استعمال کر کے چار سال پورے کرنا مشکل ہوتا ہے کئی صدیوں طویل خاندانی حکومت کا راز جبر، تشدد اور ظالمانہ نظام تھا اور دشمنوں کے ساتھ بہیمانہ سلوک تھا۔ جس کی وجہ سے یہ حکومتیں صدیوں قائم رہ سکیں (افسوس کہ آج کا مغرب ایسے ہی ظالم سفاک، خدا بیزار اور حیوانی تہذیب کے نمائندے رومی اور یونانی حکمرانوں کو اپنا ہیرو (IDEAL) سمجھ کر دینا کو عدل و مساوات و انسانی حقوق کا درس دے رہا ہے۔ جمہوریت اور آزادی کا چمپئن بھی شمار ہوتا ہے۔)

☆ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد انسانی آبادی پھیلی تو مختلف علاقوں میں تہذیب و تمدن بھی پھیلا اور انبیاء کرام علیہم السلام بھی تشریف لاتے رہے اور آسمانی ہدایت بھی۔

☆ کلدانی حکومت کے دور میں ان کے دارالحکومت اُر (URR) میں ایک پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے یہ پیغمبر تاریخ انبیاء میں بڑے اہم پیغمبر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی قربانیوں اور استقلال کی وجہ سے ان کے بعد پیغمبری اور کتاب کو ان کی اولاد کے ساتھ مخصوص کر دیا (القرآن 26:57) چنانچہ یہ بات بطور اصول موضوعہ کے حکمت بالغہ کے ہر قاری پر عیاں رہنی چاہئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ 2000 ق م کا ہے۔ ان کے ہم عصر دو پیغمبر ہیں: حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام۔ مگر ان کے بعد پیدا ہونے والا کوئی نبی ان کی اولاد سے باہر نہیں ہے اگر کہیں سمجھا جائے کہ اس علاقے میں کوئی نبی آیا ہے تو وہاں اولادِ ابراہیم یا بنی اسرائیل کی موجودگی کو ماننا ہوگا ورنہ یہ ممکن نہیں اس لیے کہ قرآن مجید کی واضح ہدایت کے خلاف ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے: ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام

اور دوسرے حضرت اسحاق علیہ السلام۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو انہوں نے مکہ میں آباد کیا تھا (اس وقت وہ شہر نہیں تھا پانی یعنی چاہ زمزم نہیں تھا) یہ چشمہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وجہ سے جاری ہوا۔

دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام تھے ان کو فلسطین میں آباد کیا گیا جہاں ان کی اولاد خوب پھیلی پھولی اور یہ عجیب تاریخی حقیقت ہے کہ اولاد ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نبوت و کتاب کے مختص ہو جانے کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں دو ہزار سال (حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک) مسلسل بے شمار پیغمبر آئے جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ پیدائش 571ء، وحی نبوت کا آغاز 610ء) گویا 2500 سال تک عرب میں اولادِ اسماعیل میں کوئی نبی نہیں آیا۔

☆ حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ ان کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام مصر چلے گئے، وہاں کے حکمران بنے، سارا خاندان وہاں منتقل ہو گیا۔ حکومت کے خاتمے کے بعد بھی وہیں آباد رہے۔ پھر فرعون حکمران بنے تو بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا گیا پھر کئی صدیاں بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو بنی اسرائیل کو رہائی ملی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کتاب عطا ہوئی (1300 ق م)۔

☆ بعد ازاں حضرت داؤد علیہ السلام کے ذریعے ملک فتح ہوا اور عظیم اسرائیلی سلطنت قائم ہوئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے چالیس سال حکومت کی بیت المقدس کی عبادت گاہ بنائی جو بنی اسرائیل کا طویل عرصے تک قبلہ رہا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت کے دور سے پہلے بھی مشرق و مغرب اور شمال جنوب کے ممالک میں تجارت شروع ہو چکی تھی اور اس تجارت کے روحِ رواں سائبیرین اقوام یا موجودہ روس کے علاقہ کے لوگ تھے کہ وطن چھوڑ کر مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید وغیرہ میں آباد ہوئے وطن سے رابطہ رہا اور یوں انہوں نے جدید اور قدیم دنیا میں اپنے رابطوں کو اشیاء کے تبادلے اور تجارت کے لیے استعمال کیا۔ مصر جہاں حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت تھی اور بعد ازاں فراعنہ مصر حکمران رہے۔ قریب ہی فلسطین میں 1000 ق م میں بنی اسرائیل کی شاندار حکومت رہی جس کی مثال تاریخ

انسانی میں نہیں۔یہی علاقہ ہے جومشرق ومغرب تجارت(EAST-WEST TRADE)اور شمال جنوب تجارت (NORTH-SOUTH TRADE) کا سنگم تھا۔لہٰذا ـــــ بنی اسرائیل جلد ہی اس تجارت میں شامل ہوگئے حضرت یوسف علیہ السلام کے دور سے شامل ہوئے اور جلد ہی اپنی صلاحیتوں اور آسمانی کتاب کے حامل ہونے کی وجہ سے عالمی تجارت پر چھا گئے۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے کے ساتھ ہی یہ بتانا ضروری ہے کہ کلدانی حکمرانوں کے ساتھ جو سائبیرین اقوام آئی تھیں وہ یورپ کے ذریعے آئی تھیں تو وہ عراق فلسطین سے لے کر شام ترکی یونان اور اٹلی تک پھیل گئی تھیں۔

☆ سائبیرین اقوام وحشی، غیر مہذب اور اخلاق باختہ تھیں۔(ان کے بارے میں ایک کتاب SAIBERIA-THE CRADLE OF CONQUERERS لکھی گئی جو اس دور کی تاریخ پر روشنی ڈالتی ہے)

انہیں کا ایک حصہ (FACTION) فلسطین کے قریب ایک جھیل کے کنارے آباد ہوا اور اخلاقی بے راہ روی کا بانی بن گیا۔اس قوم کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں (ان کے بھتیجے) حضرت لوط علیہ السلام پیغمبر مبعوث ہوئے مگر قوم کے حیوانی رویے اور آزاد روی وروشن خیالی نیز آج کے مغرب اور امریکیوں کی طرح GAYCULTURE کی وجہ سے عذاب کا نشانہ بن گئی۔اس عذاب کی وجہ سے وہ جھیل کھاری ہوگئی اور اس کے بعد سے بحیرہ مردار (DEAD SEA) کہلاتی ہے کہ اس میں زندگی کے آثار نہیں ہیں کوئی سمندری مخلوق بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔

اسی منفرد قوم لوط کا ایک حصہ تھا جس پر 117ء میں عذاب آیا یہ اٹلی کا پومپیائی شہر تھا جو سلطنت روم کا ہالی وڈ تھا اور اس علاقے پر راکھ کا عذاب آیا اس کے کھنڈرات کھودے جا چکے ہیں اور باضمیر انسانوں کے لیے عبرت کا سامان ہیں۔

☆ بنی اسرائیل کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے۔انہوں نے فرعون کو بھی دعوت حق دی اور خداشناسی کا پیغام دیا مگر وہ خدا بیزاری، انسان دشمنی، اخلاق دشمنی اور علم دشمنی کی وجہ سے اپنی حیوانی تہذیب وثقافت پر قائم رہا اس کی ساری فوج خلیج سویز میں غرق کر دی گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو اس کی غلامی سے نکال کر لے جانے میں کامیاب ہوگئے

(یہ واقعہ 1300 ق م کا ہے)

☆ 1750 ق م کے قریب ہی وہ زمانہ ہے کہ شمال سے وحشی قبائل کا ایک ریلہ بحیرۂ کیسپین کے راستے آیا ہے اور تہران کے پاس آباد ہوا اسی کے لوگ آہستہ آہستہ آگے پھیلے ہیں۔ حالات کے تقاضے کے طور پر اس میں کچھ لوگ کابل کے راستے پنجاب اور ہند میں داخل ہوئے ہیں یہ لوگ تاریخ میں آریہ کہلاتے ہیں۔

یاد رہے کہ بحیرۂ کیسپین کا دو ہزار سال قبل نام بحیرۂ خزر تھا۔ اس بحیرہ کے پانی کا رنگ سبزی مائل ہے۔ یہ نام دراصل خزر (KHAZAR) تھا انگریزی ہجے KHAZAR ہیں 'خضر' کے معنی سبز کے ہیں۔ اس نام کی مناسبت سے یہاں آباد قوم 'خضارین' کہلائی۔ یہی نام کثرت استعمال سے آرین بن گیا۔ انہیں میں سے ایک قبیلہ بعد میں 740ء کے لگ بھگ یہودی ہو گیا تھا اور وہ یہود کے بارہ قبائل پر اضافہ یعنی 13th TRIBE کہلاتا ہے اسی خضارین سے لفظ KHZAR ہے جو روس کا حکمران اور مقتدر طبقہ 'زارِ روس' کہلاتے تھے۔ یہی آرین لوگ ہیں جو ہندوستان آ کر 'آریہ' کہلاتے رہے ہیں۔ اسی لفظ سے 'ایران' لفظ ہے ورنہ اس علاقے کا پرانا نام 'پارس' یا 'فارس' تھا اسی لفظ سے لگتا ہے ائیر لینڈ کے لوگوں کے لیے 'آئرش' بنا ہے یعنی اسی قبیلے کے لوگ برطانیہ جا کر آباد ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم

جنوبی ایشیا کی اقوام

☆ جنوبی ایشیا میں ہمالیہ کے جنوب میں انسانی آبادی کا قدیم ترین حصہ وہ ہے جو نیپال کے راستے نیچے اُتر کر آباد ہوا اور 'دراوڑ' (DRAVIDIAN RACES) کہلائیں ان میں شامل ہوئیں وہ اقوام جو حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد بچ جانے والے اہل ایمان تھے وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے عراق سے یہاں پہنچے انہیں کے ذریعے آسمانی ہدایت اور اس کی تحریری شکل 'وید' یہاں پہنچی۔ واللہ اعلم

☆ انسانی آبادی کا ایک ریلہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں ایک بیٹے کی اولاد 'بارھواں قبیلہ' گم شدہ قبیلہ ہے۔ مؤرخین کے نزدیک غالباً وہ سمندری تجارتی راستے سے یا زمینی راستے سے 'ہند' میں آ کر آباد ہوا۔ ہند کی تاریخ میں گجرات کاٹھیاوار کے پاس بنی اسرائیل

(BNI-YISRAEL) کے نام سے ایک انسانی گروہ کا سراغ ملتا ہے جو یہاں آباد تھا یہ قبیلہ زیادہ پھیلا بھی نہیں اور نمایاں بھی نہیں ہوا۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے اپنی شناخت کو بدل لیا ہو اور مقامی آبادی میں مدغم ہوگیا ہو۔ واللہ اعلم

☆ ہند میں مقامی سطح پر کئی نام، سماجی طور طریقے ایسے ہیں جو بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے زیادہ مشابہ ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شاندار حکومت کے زوال کے بعد بخت نصر کے حملوں میں جو یہودی قید ہوئے اور ایران میں پھیلے (550 ق م) تو ان میں سے بعض گروہ ہند میں داخل ہوگئے ہوں۔ بنی اسرائیل اور ہنود میں چند مشابہتیں یہ ہیں:

برہمن کا لفظ ابراہیم سے ملتا ہے، 'ن' کا لفظ ہندی میں اضافی بولا جاتا ہے۔ گاؤ پرستی، بچھڑا پرستی سامری کے بچھڑے سے مشابہ رسم ہے۔ سامری کو قرآن میں 'لامساس' یا اچھوت بنا دیا گیا ہند کے شودر اور اچھوت شاید اسی مناسبت سے ہوں۔

☆ تاریخ ہند کی ایک اچھی روایت یہ ہے ان کی عبادت گاہیں اس طرح بنتی ہیں کہ آدمی ان میں مغرب کی طرف منہ کر کے داخل ہوتا ہے۔ پھر ان میں یہ روایت بھی ہے کہ کسی ہندو کی موت کے وقت جانکنی میں تکلیف ہو تو ہندو اپنے پنڈت کو بلاتے ہیں اور وہ 'ان کہی' بات آ کر اس کے کان میں کہتا ہے تو اس کی تکلیف کم ہو جاتی ہے۔ یہ 'اَن کہی' ایک راز ہے جو برہمن یا پنڈت کے علاوہ کسی کو معلوم نہ تھا مگر شہنشاہ اکبر کے زمانے میں اس کے استفسار پر بتایا گیا کہ یہ 'ان کہی' اسلام کا کلمہ شہادت ہے یعنی توحید کا اقرار اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں کا اقرار ہے۔

یہ بات بھی ہندو مانتے ہیں کہ ان کی عبات گاہیں 'مندر' اصلاً اور ابتداءً روحانی مراکز تھے اور وہاں داخل ہونے والا دراصل اپنے 'من' کا دروازہ کھولنے کے لیے ان مراکز میں آتا تھا یعنی اللہ سے لو لگانے کے لیے۔ یہ بات بھی ہندو روایات میں ہے کہ ان کا سب سے بڑا مندر سومنات (سورت) جو گجرات کاٹھیاوار کے علاقے میں واقع ہے میں تھا۔ سومنات کا مندر ساحل سمندر پر شاندار مندر تھا ہندو روایت یہ ہے کہ یہ ہمارا سب سے بڑا مندر ہے جو ہند میں ہے اس سے بھی ایک بڑا 'مندر' یعنی عبادت گاہ اس سومنات کے مندر کے ٹھیک مغرب میں ملک عرب میں

واقع ہے۔ یہ حقیقت آج سائنسی طور پر ثابت ہے کہ سومنات کے مندر کا عرض بلد وہی ہے جو مکہ شہر کا ہے یعنی بات الہامی ہوسکتی ہے یا آسمانی ہدایت کا حصہ ہونا یقینی ہے۔ یہی سومنات کا مندر ہے جو کھجوراہو مندروں کی طرح کا تھا اور سلطان محمود غزنوی نے 1028ء میں فتح کر کے گرادیا تھا۔

ہنداور ہندو روایات پر آریہ کے اثرات

1750 ق م کے لگ بھگ آریہ لوگ ہند میں وارد ہوئے یہ لوگ اخلاقی اعتبار سے نہایت پست اور حیوانی تہذیب کے مالک تھے۔ ہند میں داخل ہوکر وہ مقامی ہندو مذہب میں داخل تو ہوگئے مگر ان کی تہذیبی روایات زیادہ نہ بدل سکیں اسلئے کہ ہندومت کو اس سے کوئی غرض نہ تھی اس وقت ہندو خود بھی مذہب سے دور ہوگئے تھے یا ان کی کوئی سیاسی اغراض ہوسکتی ہیں۔

☆ آگے چل کر ہند میں مہاتما بدھ پیدا ہوئے بعض لوگ انہیں 'نبی' تسلیم کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک قرآن مجید میں سورۃ الحدید کی آیت 26 کی رو سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کوئی نبی اولادِ ابراہیم سے باہر نہیں آیا۔ یا تو ہند میں بنی اسرائیل آباد تھے۔ یہ روایت خاصی پختہ ہے کہ قرآن کے مطابق یہود کے دو گروہ میں ایک مخلصین اور مذہبی دوسرے دنیا دار اور بے دین ہوکر بھی یہودی کہلانے پر مصر اور بنی اسرائیل کی عالمی حکومت کے خواب دیکھنے والے ـــــ تجارت کی غرض سے دنیا میں آنے جانے والے یہودی یا بخت نصر کے دور کے غلام یہودی یا 70 عیسوی کے دور انتشار کے وقت مخلص یہودی نکل کر افغانستان اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں آباد ہوئے۔ اس کے شواہد ملتے ہیں (اس کا تذکرہ ہم نے کتاب 'یاجوج ماجوج؟' میں بھی کیا ہے) اگر یہاں بنی اسرائیل کا وجود مانا جائے تو کوئی نبی بھی ہوسکتا ہے ورنہ ممکن نہیں۔

☆ اس پر مستزاد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلسطین میں پیدا ہوئے ان کی والدہ ان کو اپنے گھر لے گئیں بچہ چونکہ معجزانہ طور پر بغیر باپ کے پیدا ہوا تھا لہٰذا اس بچے نے بچپن میں ہی والدہ کی پاکدامنی کی گواہی دی اور خود کو نبی ظاہر کیا۔ امکان تھا کہ یہود کا بگڑا ہوا گروہ جو عرصے سے وحی بیزار اور خدا بیزار ہوکر انسان دشمنی اور اخلاق دشمنی کی تمام حدود پھلانگ گیا تھا اگرچہ زبانی طور پر یہودی کہلاتا تھا مگر کئی صدیوں سے مسلسل انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کردیتا تھا تاکہ آسمانی ہدایت

نہ رہے (یہی طبقہ ہے جو ختم نبوت کے بعد قرآن مجید کی آسمانی ہدایت کو غائب کر دینے یا بدل دینے یا مشکوک بنا دینے کے عمل میں مصروف ہے اور جھوٹے نبی کھڑے کر کے سابقہ انبیاء کی حیثیت کو بھی داغدار کرتا ہے اور جھوٹے نبی کے منہ میں مرضی کی وحی ڈال کر اسلام کا راستہ روکتا ہے۔ معاذ اللہ) یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن کے اس معجزے سے لے کر 30 سال کی عمر میں فلسطین میں تبلیغ کرنے کے عمل کے دوران کہاں رہے یہ طویل عرصہ ایک معروف نبی کی زندگی کا گمشدہ باب ہے جس کا جواب عیسائیوں کے پاس بھی نہیں ہے۔ غالب امکان یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مخلص بنی اسرائیلیوں نے دور دراز علاقوں میں لے جا کر پرورش کی ہے اور تربیت کے مراحل سے گزارا ہے۔ زیادہ امکان یہ ہے کہ افغانستان (خراسان) اور کشمیر کے علاقوں میں رہ کر واپس فلسطین میں ظاہر ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم

آریہ اور ہندو

☆ آریہ نے ہندو مذہب کو قبول تو کر لیا ـــــ مگر چونکہ ہندوؤں کی کوئی واضح کتاب اور رسولوں/نبیوں کی عملی زندگی کا کوئی نمونہ سامنے نہیں تھا لہٰذا ان کی ایسی تربیت نہیں ہو سکی کہ ان کی سابقہ سوچ بدل جائے۔ آریہ قوم باہر سے تازہ دم آئے تھے لہٰذا ان میں جنگجوئی کا جذبہ زندہ اور جوان تھا۔ آریہ نے ایک تو جین مت کے نام سے ہندوؤں کا ایک علیحدہ فرقہ بنا لیا پھر مقامی آبادی بالخصوص عوام پر برتری ظاہری کرنے لیے ذات پات کی تمیز (CASTE SYSTEM) ایجاد کر کے خود برہمن بن بیٹھے یا کھشتری (جنگجو) قرار پائے اس طرح سیادت و قیادت پر مستقل قبضہ کر لیا۔

تیسرے یہ کہ ہندو مذہب کے اخلاقی پہلوؤں اور زندگی کے عملی معاملات میں راست بازی، شرم و حیا، پاکیزگی کو اپنے اوپر بوجھ سمجھتے ہوئے علیحدہ کر دیا، بے حیائی کو فروغ دیا، دنیا میں پہلے ہی جب انسان شرک کرتا ہے تو بت پرستی اختیار کرتا ہے اور بت پرستی کرتا ہے تو اخلاقاً اتنا گر جاتا ہے کہ بت پرستی کے لیے تراشے گئے بت بالباس بنانے کی بجائے بے لباس بنا دیتا ہے جس سے بے حیائی کو سند مل جاتی ہے۔ آریہ قوم نے اپنے مندر بھی علیحدہ کر لیے۔ چند صدیوں میں پورے ہند بلکہ اس کے مشرقی ملحقہ علاقہ جات (FAR EAST) میں بھی مؤثر ہو گئے۔

☆ ہندو مذہب میں اس دیدہ دلیری کے ساتھ تبدیلی اور بالخصوص ذات پات کی تمیز اور کچھ انسانوں کو مستقل اچھوت، شودر قرار دے دینا یا 'دلت' قرار دے دینا ایک گھناؤنا فعل تھا کہ اس پر منصف مزاج ہندو کا ضمیر بھی مطمئن نہیں تھا۔

☆ اس ناانصافی اور انسانیت کی تذلیل کے 'جرمِ عظیم' کے خلاف آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں۔ سب سے زیادہ زوردار آواز ہمارے نزدیک گوتم بدھ نے اُٹھائی وہ چونکہ آسودہ حال طبقے سے تعلق رکھتا تھا لہٰذا اس کی آواز مؤثر ہوگئی اور عوامی شکل اختیار کرگئی اور آناً فاناً شمال مغربی ہند میں اس کے پیروکار حاکم بن گئے اور آج کا پاکستان اور اس سے ملحقہ بھارت کا علاقہ (افغانستان کے ایک حصے سمیت) اس کے زیرنگین آ گیا۔ موریہ چندر گپتا اور آشوکا کی حکومتیں قائم ہوگئیں۔ ان حکومتوں کے زوال کے بعد جنوبی ایشیا میں طوائف الملوکی پھیل گئی بدھ مت کو ہند سے نکال دیا گیا اس کے اثرات مشرقِ بعید میں جاپان، تبت، چین، کوریا وغیرہ تک جا پہنچے مگر بھارت میں ختم ہوگیا۔

☆ یہ زمانہ ہے کہ جین مت کے پیروکاروں نے مذہبی عروج حاصل کیا اور وسطی ہند میں بالخصوص اپنے مخصوص مندر بنائے جو کہنے کو 'مندر' تھے مگر بے حیائی کی مجسم 3D شکلیں۔ اتنا متعفن ماحول کہ مذہب کے نام پر بے حیائی کی انتہا۔ ایک دو نہیں سینکڑوں مندر بنا دیے۔ یقیناً سنگ تراشی تو کمال ہے مگر کئی صدیاں یہ سلسلہ چلا لوگ کام کرتے ہیں ان لوگوں اور ان کے افراد خانہ کی ذہنی سطح کیا ہوگی۔ آج بھی کوئی باضمیر انسان اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ان مذہبی مندروں کی یاترا نہیں کرسکتا جنہوں نے برسوں محنت کرکے بنائے ان کی اخلاقی اور شرم وحیا کی حالت کیا ہوگی العیاذ باللہ۔ یہ مندر کھجوراہو مندر کہلاتے ہیں اور مغرب کی بے حیائی سے بھی بہت آگے۔ مغرب تو گناہ کو گناہ اور لبرل ازم کہہ کر فروغ دیتا ہے ہندو اس کو مذہب کا نام دے کر فروغ دے رہا ہے۔

☆ آریہ اقوام نے دوسری صدی عیسوی سے لے کر آٹھویں صدی عیسوی تک یہ کام بڑے اطمینان سے کیا ہے کہ اس دور میں ہند پر باہر سے کسی قوم نے حملہ نہیں کیا اور اس قوم نے اپنے سارے ارمان پورے کرلیے۔

تاج محل کا فضائی منظر

شاہ جہاں کی تعمیرات کا حسین اور پاکیزہ شاہکار تاج محل

شاہ جہاں کو تعمیرات کا شوق تھا۔ ملکی خزانہ وسائل سے مال مال تھا اور اسے پُر امن ماحول میں تین دہائیاں جنوبی ایشیا پر حکمرانی کے لئے قدرت نے لکھ دیں۔ شاہ جہاں کا مسلمانوں پر اور ہندوؤں پر مشترکہ احسان یہ ہے کہ اس نے جنوبی ایشیا میں مسلم فن تعمیر کو فروغ دے کر مسلمانوں پر احسان کیا اور گزشتہ صفحات میں ہم ذکر کر آئے ہیں کہ کسی قوم کی تہذیب وثقافت اور فن تعمیر اس کے نظریات کا ہی تابع اور آئینہ دار ہوتا ہے۔ ہند میں جین مت کے تعمیر کردہ کھجوراہو مندر اس وقت سامنے تو نہیں تھے مگر اس کے تذکرے ہندو کلچر میں موجود تھے اور جین مت کے بارے میں بادشاہ کی سطح پر معلومات بھی ہوں گی۔ شاہ جہاں نے تاج محل کی پاکیزہ عمارت تعمیر کر کے مسلم نظریات کی پاکیزگی اور نفاست کا نشان کھڑا کر دیا وہ جین مت سمیت سب ہندو لبرل طبقہ کے منہ پر ایک طمانچہ اور مخلص ہندوؤں پر اِتمامِ حجت تھا اور شاہ جہاں کا یہ محل ہزاروں وعظوں، درسوں، کتابوں سے زیادہ موثر اور تیر بہدف تھا۔

شاہ جہاں طویل وعریض علاقے میں حاکم تھا شاہِ جہاں کہلاتا تھا مگر حضرت مجدد الف

ثانی کی تبلیغی مساعی کا یہ اثر تھا کہ اتنا مقتدر بادشاہ ہوتے ہوئے بھی اس کی ایک ہی بیوی تھی ممتاز محل۔اس بادشاہ کی خداخوفی اوراسلامی احکام کی پابندی کے کیا کہنے۔۔۔ آفریں ہےاور سلام ہے اس نیک سیرت حکمران پر۔اس کی اس ایک بیوی سے چودہ ولادتیں ہوئیں جن میں چار بیٹے زندہ رہے یہ بیوی وفات پا گئی تو بادشاہ کے لئے عورتوں کی کمی نہیں تھی مگر اس محبوب بیوی کی محبت میں اس نے ایک یادگار مقبرہ بنانے کا عزم کرلیا۔اب فن تعمیر نظریات ہی کے تابع ہوتا ہے، مسلم نظریات کی پاکیزگی دیکھنا ہوتو ہند میں مسلم فن تعمیر کا شاہکار تاج محل دیکھ لو سارے اسلامی اصول جو پاکیزگی، شرم وحیا اور شرافت سے معطر ہیں وہ یکجا نظر آجائیں گے۔اصلاً یہ ایک مقتدر بادشاہ کا اپنی محبوب بیوی کی محبت میں تعمیر کردہ یادگار ہے۔اس میں بت ہوتے، بیوی کا مجسمہ ہوتا اور دیگر محبت کے مظاہر ہوتے تو بھی لوگ خاموش رہتے کہ یہ تو ہے ہی محبت کی یادگار، کوئی مسجد یا مندر نہیں ہے مگر داد دیجئے اسلام کی تعلیمات اور نظریات کی پاکیزگی کو کہ محبت کا نشان بھی اتنا پاکیزہ اور سلجھا ہوا ہے کہ بے ہودگی، بے حیائی اور حیوانیت کا نام ونشان نہیں۔شاہ جہاں یا اس کی اہلیہ کا کوئی بے لباس تو کیا بالباس مجسمہ بھی نہیں ہے۔

آیات قرآنی سے مزین دریائے جمنا کے کنارے آگرہ میں ایک بلند چبوترے پر ہشت پہلو عمارت ہے اور فاصلے پر چار مینار ہیں عمارت پر سفید سنگ مرمر کا کام ہوا ہے اور آیاتِ قرآنی کی خوبصورت نقاشی ہے۔انجینئرنگ کا بھی شاہکار ہے اور تعمیراتی حسن کا بھی۔اس عمارت کے مغرب میں ایک مسجد بنائی گئی ہے کہ مسلمان آئیں گے تو نماز ادا ہوگی۔تعمیراتی حسن کے لئے مشرق کی جانب مسجد ہی کے ہوبہو شکل کا مہمان خانہ تعمیر کیا گیا تاکہ توازن (SYMMETRY) برقرار رہے۔

یہ عمارت کھجوراہو کے بدنامِ زمانہ مندر بنانے والی ہندو اشرافیہ کے منہ پر ایسا نظریاتی طمانچہ تھا کہ جس کے درد کو آج تک محسوس کر رہی ہے اور اپنے نظریات کی گندگی اور تعفّن سے نکلنے کو تیار نہیں ہے۔نظریات سے تہذیب وثقافت اور اس سے فن تعمیر کا رشتہ ہے وہ اس عمارت کی تعمیر سے شاہ جہاں نے واضح کر کے جین مت کو پاکیزگی اور نفاست کا جو پیغام دیا ہے وہ آج زندہ اور تازہ ہے۔

ہند میں علوم وفنون کی ترقی

اس پرامن دور میں جین مت تو اپنے بدنامِ زمانہ مندروں کی تعمیر میں لگا رہا جس کے ذریعے بڑی محنت، عرق ریزی کے ساتھ ساتھ ریاضی، فلکیات، جغرافیہ، سنگ تراشی اور دیگر فنون نے کمال حاصل کرلیا۔ تاہم جین مت کے علاوہ نظریات کے حامل لوگوں نے بھی علوم وفنون کو آگے بڑھایا ہے چنانچہ علم ہندسہ میں انہوں نے کمال حاصل کیا۔ ریاضی، فلکیات میں بنیادی تصورات کو ایجاد کیا اور علمی دنیا میں نام کمایا۔ مسلمانوں کو جب مشرق وسطی میں عروج حاصل ہوا تو ریاضی کی علمی ترقی سے متعارف ہوئے تو ہند کی حوصلہ افزائی کے لیے اس علم کو 'علم ہندسہ' قرار دیا کہ یہ علم 'ہند' سے ملا ہے۔ انجینئر کو مہندس قرار دیا۔ جبکہ جدید یورپ نے مسلمانوں سے علم حاصل کیا سپین اور بغداد سے استفادہ کیا مگر مسلمانوں کے دور کو دورِ جہالت (DARK AGES) کے نام سے پکارتے ہیں جبکہ مسلمانوں کی سائنسی ترقی کی نشانی عربی مخطوطات اور کتابیں آج بھی یورپ کی لائبریریوں کی زینت ہیں۔ ہند پر مسلمان حکمران رہے مگر ہندو بھی مسلمانوں کے برعکس مسلمانوں سے لیے گئے علوم کو مسلمانوں کی طرف منسوب کرنے کا حوصلہ نہیں پاتا۔

باب 6

ہند__711ءتا1761ء

ہندو__مسلم

آمنے سامنے

☆ پس منظر

☆ ہند کی فتح__نظریہ کی فتح

☆ ہندومت اور اسلام آمنے سامنے

☆ شہنشاہ اکبر کا مرتد ہونا اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تجدیدی مساعی

☆ سلطنت مغلیہ 1605ءتا1707ء

☆ مغلوں کے زوال کے بعد ہندو کا خواب__مرہٹہ قوت کا فروغ

☆ مرہٹہ قوت کی سرکوبی_اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کا کارنامہ

☆ 1600 کے بعد انگریزوں کی آمد

☆ برطانوی تاجر_اور_ہندو گٹھ جوڑ

☆ مرہٹہ قوت کی دہلی پر قبضہ کے لئے قسمت آزمائی

پس منظر

ہند میں جین مت ذات پات کی تقسیم کے ساتھ اقتدار پر قبضہ پا چکا تھا۔ 100ء سے لے کر 800ء تک وہ بلا کسی مخالفت (بلا شرکت غیرے) وسطی ہند پر حکمران رہا اور اپنے نظریات کو فروغ دیا، کھجوراہو مندر بنا کر اپنے نظریات کو آشکارا کیا۔ آہستہ آہستہ انہی صدیوں میں یہ نظریات مشرقی ہند، نیپال، ویت نام، کوریا، انڈونیشیا، ملائیشیا، جاپان اور چین جا پہنچے۔ اس لیے کہ ہر انسان میں ایک 'شر کا عنصر' ہے یعنی EROTICISM ہے وہ نیک ماحول میں دبا رہتا ہے مگر پھر بھی وہ برائی کے راستے تلاش کرتا رہتا ہے اور موقع پاتے ہی کم یا زیادہ 'شر' کا حامی بن جاتا ہے۔ زیادہ مواقع ہوں اور مالی وسائل کے ساتھ فرصت ہو تو انسان بالکل 'شریر' ہو جاتا ہے یا ابلیسی نظریات اختیار کر کے انسان دشمن، اخلاق دشمن، انصاف دشمن، عقل دشمن، علم دشمن اور خدا بیزاری کی راہ اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ ہندو ذہنیت کے ذات پات کی تقسیم کے فیصلے اور بے حیائی کی آماجگاہ اور EROTIC TEMPLES کا کلچر اسی طرح تیزی سے پھیل گیا جس طرح پانی ڈھلوان کی طرف بہتا ہے۔

اس دور میں ایران میں آتش پرستی تھی، عراق میں بت پرستی تھی، یونان ارسطو کے خدا بیزار فلسفے اور بت پرستی کے نظام کے ساتھ دشمنوں اور مخالفوں کو اَذِیتیں دینے کے لیے نئے طریقے ایجاد کر کے عرصے تک اپنے نظریات شمالی ایران اور پنجاب سندھ تک پھیلا کر قصۂ ماضی بن گئے تھے۔ رومی بادشاہ حکمرانی کے مزے لوٹ رہے تھے۔ انہیں نے عیسائیت کا ایک ورژن (VERSION) جس کا مبلّغ پال تھا وہ اختیار کر لیا تھا یعنی تثلیث (TRINITY) کا عقیدہ (جس کا حضرت مسیح علیہ السلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں) جبکہ رومی سلطنت اور رومن لاء (LAW) جوں کا توں موجود رہا۔ یہ رومن لاء ایسا ظالمانہ تھا کہ خدا کی پناہ۔ جہاں انسانوں کو بادشاہ شغل

(ENTERTAINMENT) اور تفنّنِ طبع کے لیے بھوکے شیروں کے آگے ڈال کر ان کی چیخ و پکار سے لطف اندوز ہوتے تھے اور ان بادشاہوں پر کوئی مقدمہ قتل درج نہیں ہوتا تھا۔ مخالفوں کی ایذا رسانی کے ایسے شرمناک طریقے ایجاد کیے گئے کہ الامان الحفیظ۔ (انہیں میں ایذا رسانی کا ایک طریقہ وہ تھا جو عربوں نے رومیوں کے ہاں دیکھا ہوگا جو انہوں نے حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کے لیے استعمال کیا تھا اور انہی ننگ انسانیت طریقوں میں سے بعض وہ تھے جن کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ذکر فرمایا ہے۔ قابل افسوس بات ہے کہ آج کا جدید یورپ اسی رومی سلطنت کا اپنے آپ کو وارث قرار دیتا ہے اور آج کے ویسٹرن کلچر یا مغربی تہذیب کی دو ہی بنیادیں ہیں: یونانی کلاسکس (CLASSICS) اور رومی طرزِ حکومت۔ دونوں بت پرستی کے نظام اور نہایت ظالمانہ حکومتیں تھیں۔ نیٹ پر WESTREN CULTURE کے نام سے جائیں تو ہر ذی شعور شخص اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ TORTURE اور ROMAN TORTURE یا GREECE TORTURE کے نام سے یونانی اور رومی بادشاہوں کی، جو مغربی کلچر کے آئیڈیل ہیں، انسان دوستی، مساوات، امن، احترامِ جان، عدل و انصاف اور گڈ گورننس (GOOD GOVERNANCE) کے مظاہر بچشم سر مشاہدہ کر کے ان کی داد بھی دی جا سکتی ہے اور مدح سرائی بھی ہو جائے تو حرج نہیں۔ یہی رومن طرزِ حکومت اور ایذا رسانی کے طریقے تھے جو مغربی استعمار نے برطانوی ہند میں 1857ء کی جنگ آزادی سے پہلے، دوران اور بعد میں مسلمانوں پر آزمائے۔ اسی کا ایک تذکرہ 'انوار القرآن' نامی کتاب مطبوعہ قرآن اکیڈمی لاہور میں ایک واقعہ میں دیا گیا ہے)

چین، جاپان، تبت، روس اور یورپ میں دورِ جاہلیت تھا۔ بنی اسرائیل آسمانی ہدایت کے دعویدار ہونے کے باوجود خدا بیزاری کا نشان بن چکے تھے کہ وہ خود اپنے اندر آنے والے نبیوں کو کئی صدیوں سے قتل کر دیتے تھے تاکہ آسمانی ہدایت نہ آ سکے۔ یہ خدا بیزاری بلکہ خدا دشمنی اُس قوم سے عیاں تھی جو دنیا میں پیغمبروں کی اولاد، خدا کے پسندیدہ (CHOSEN PEOPLE OF THE LORD) اور تورات، زبور، انجیل کے حامل ہونے کے دعویدار بھی تھے مگر عملاً آسمانی ہدایت کے دشمن۔ انہی بنی اسرائیل نے 33 عیسوی میں فلسطین میں رومیوں کے ہاتھوں

حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب دلوانے کی کوشش کی، پھر شرارتوں کی وجہ سے 70ء میں فلسطین سے رومیوں کے ہاتھوں جلاوطن ہوئے (آج کی مغربی دنیا پر یہود کا غلبہ ہے صہیونیت قابض ہے مگر ساری عیسائی دنیا پر انہیں نے رومی قانون اور رومی ایذا رسانی کے طریقے اپنائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے نیک سیرت حکمرانوں کی تاریخ اپنے پاس رکھتے ہیں اور اس کو ماننے کے دعویدار بھی ہیں اور یہود چاہیں تو سیکولرازم کی طرح حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا طرزِ حکومت بھی ساری دنیا میں عام کر سکتے تھے)۔

70ء کی جلاوطنی کے بعد یہود کے کچھ قبائل ـــــ مدینہ میں آ کر آباد ہو گئے تھے بظاہر اپنی کتابوں میں درج پیش گوئیوں کی بنیاد پر کہ آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہاں کھجوروں کی سرزمین پر آئیں گے۔ مگر درحقیقت ان کے بعد کے طرزِ عمل نے واضح کر دیا کہ ایمان تو لائے چند افراد جو انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں مگر تینوں قبائل نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا، پریشان کیا، جنگوں میں مصروف رکھا اور نبی کے طور پر پہچاننے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے کئی منصوبے بنائے جن میں سے دو تو تاریخ میں درج ہیں نامعلوم کتنے ہوں گے جو منصوبہ بندی کے مرحلے میں رہ گئے یا ناکام ہو گئے۔ واللہ اعلم

اس پس منظر میں عرب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم 571ء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں تقریباً 2500 سال بعد پیدا ہوئے۔ یہ وہی مکہ ہے جہاں ہندوؤں کے نزدیک سومنات (گجرات کاٹھیاوار بھارت کے ساحل سمندر پر) کے مندر سے بڑا مندر ہے اور وہ عین سومنات کے عرض بلد پر واقع ہے (اور جغرافیائی طور پر مکہ اور سومنات ایک عرضِ بلد پر ہیں)۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر 610ء میں وحی کا آغاز ہوا اور اسلام کو ایک زندہ حقیقت بنا کر اور عرب پر غالب کر کے رومیوں کو سفر تبوک میں للکار کر 632ء میں وفات پائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام کے مثالی بادشاہ (اور بھارت کے رہنما گاندھی کے بقول مثالی حکمران اور درویش بادشاہ) حکمرانی کرتے رہے یہ خلفائے راشدین تھے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اس کے بعد بنواُمیہ کی حکمرانی کا دور ہے جس کے دوران 93ھ/ 711ء میں حضرت

محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں سندھ میں اسلام داخل ہوا۔ اس سے پہلے مسلمان تاجر انڈونیشیا آتے جاتے تھے اور ان کی خداشناسی، انسان دوستی، دیانتداری اور راست بازی کے رویّوں سے ان کے نظریات کی پاکیزگی کا اندازہ کر کے ہندو ساحلی علاقوں میں بھی لوگ مسلمان ہونا شروع ہو گئے تھے اور انڈونیشیا بھی مسلمان ہو چکا تھا۔ حضرت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے راجہ داہر کو شکست دے کر دیبل کو فتح کیا اور بعد ازاں پورے سندھ اور پنجاب کو فتح کر لیا ان کی حکومت کشمیر تک کے علاقوں اور دریائے سندھ کے دونوں طرف اٹک تک تھی، پہلے سندھ میں منصورہ (سکھر کے پاس) اور بعد ازاں ملتان کو دارالحکومت بنایا۔ اس وقت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی جوانی کا دور تھا۔ اس کی شرافت شرم وحیا، اخلاق، خداشناسی اور انسان دوستی کے رویے دیکھ کر اور ان کے ساتھیوں کے جنگی اخلاق سے متاثر ہو کر لوگ مسلمان ہونا شروع ہوئے۔ اسلام پھیلا اور خوب اشاعت اسلام ہوئی۔ شورکوٹ پرانا شہر تھا یہاں تک محمد بن قاسم کا آنا ثابت ہے (جھنگ اس وقت تک آباد نہیں ہوا تھا) جھنگ کے قریب موضع صحابہ کا علاقہ (جہاں ایک صحابی کا مزار مشہور ہے) محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آنے کا بیّن ثبوت ہے۔

ملتان میں وہ ہندو جو مسلمان نہ ہو سکے اُنہوں نے محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے بت بنا کر ان کو پوجنا شروع کر دیا کہ جوانی میں اس کی راست بازی کا یہ عالم ہے تو یہ انسان نہیں دیوتا ہے۔ دراصل یہاں کے لوگ چند صدیاں پہلے ایک اور اٹھارہ بیس سالہ ظالم، عیّاش، بداخلاق، انسان دشمن اسکندر کے کرتوت دیکھ چکے تھے اور اس کی فوج کی بے ہودگی، عیاشی اور لوٹ مار کے علاوہ ارسطو کے اخلاق کے یہ نمونے بھی ان کے سامنے تھے اور یہ کہانیاں زبان زدِ عام تھیں، جس کے مقابلے میں محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ انہیں دیوتا نظر آیا۔ واقعی یہی فرق ہے خداشناسی اور خدابیزاری کے نظریات میں اور یہی فرق آج بھی نمایاں ہے کہ مغربی تہذیب کیا کہتی ہے اور مسلمان کس بات کے علمبردار ہیں۔ 2001ء میں ایک خاتون صحافی طالبان کی قید میں رہ کر جب آزاد ہو کر برطانیہ پہنچی تو طالبان کے اخلاق کی وجہ سے مسلمان ہو گئی، اس نے برملا کہا کہ میں افغانستان میں بھی مسلمان ہو سکتی تھی مگر میڈیا پر لوگ تبصرہ کرتے کہ طالبان نے زبردستی مسلمان کر لیا۔ اب آزاد ہو کر برطانیہ میں اسلام کا اعلان کر رہی ہوں۔ اس نے طالبان کے خداشناس اور انسان دوست رویوں

کا اعتراف کیا تھا۔

یہی نظریات کا فرق دوقومی نظریہ کی بنیاد ہے۔ سچ کہا تھا قائداعظم محمد علی جناح نے کہ جس دن سندھ میں پہلا شخص مسلمان ہوا تھا اسی دن دوقومی نظریہ کی بنیاد پڑ گئی تھی اور پاکستان خداشناس نظریات کا حامل ملک وجود میں آ گیا تھا۔

ہند کی فتح ___ نظریہ کی فتح

دنیا میں ماضی میں بھی جنگیں ہوئیں، مسلمانوں نے بھی جنگیں کیں مگر جنگیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ پہلی قسم کی جنگ میں ایک طاقتور فریق ایک کمزور فریق کو دبا لیتا ہے قتل عام ہوتا ہے عزتیں لوٹی جاتی ہیں لوٹ مار ہوتی ہے اور مفتوحہ قوم کے خزانوں پر قبضہ کر لیا جاتا ہے۔ سکندر کی فتوحات اسی قسم کی تھیں۔

دوسری طرف دنیا میں نظریات کی جنگ ہوتی ہے جہاں چھوٹی فوج بڑی فوج پر کم وسائل کے ساتھ غالب آ جاتی ہے اور جنگ جیت جاتی ہے۔ یہ جنگ نظریات کی جنگ ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ وہ چیز جو لوگوں کو نفع دیتی ہے عوام کے فائدے میں ہوتی ہے انسان دوستی کا مظہر ہوتی ہے وہ غالب آ جاتی ہے اور وہ نظریہ جو انسان دشمن، اخلاق دشمن اور خدا بیزاری کا مظہر ہوتا ہے وہ شکست کھا جاتا ہے۔ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی فتح نظریہ کی فتح تھی اور چھوٹی فوج بڑی فوج کے اپنے علاقے میں جنگ کر کے فتحیاب ہوئی تھی۔ دراصل ہندو نظریہ خدا بیزاری، بے حیائی اور کھجوراہو مندروں کا نظریہ تھا جبکہ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس خداشناسی، انسان دوستی، مساوات، عدل وانصاف، پاکیزہ کردار اور درویشی کا نظریہ تھا۔ یہی اسلام کا نظریہ ہے اور خداشناسی کا بھی اور یہی دوقومی نظریہ کی بنیاد ہے۔

حضرت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ تو جلدی واپس ہو گئے۔ راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ گرفتار ہو کر عراق پہنچا تھا جہاں وہ جلد ہی مسلمان ہو گیا۔ ملتان میں مسلمانوں کی حکومت سے علاقے میں دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا خالص اسلام آیا اور اس کے اثرات بھی پھیلے آج کا پاکستان حضرت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے فتح کردہ علاقہ وادیٔ سندھ ہی پر مشتمل ہے۔

ان صدیوں میں اسلام نے ہند میں جین مت کے سات صدیوں کے عروج کے

اثرات کو پھیلنے سے روک دیا۔ ہندو نظریات کا لبرل حصہ جس کو جین مت کے لوگ لے کر آگے بڑھے تھے اور پہلی صدی عیسوی سے آٹھویں صدی عیسوی خوب پھیلا یا تھا اپنے اس دورِ عروج میں انہوں نے اپنے نظریات کو اپنے مندروں کی تعمیر میں نمایاں کر دیا اور وسطی ہند کھجوراہو کے علاقے میں ایک وسیع علاقے میں درجنوں مندر تعمیر کر دیے جس میں فحاشی کے مناظر کو سنگ تراشی کی شکل میں اتنی دیدہ دلیری کے ساتھ ظاہر کیا کہ عقل حیران اور ماتم کناں ہے کہ یہ مذہبی استھان اور 'مندر' ہوسکتا ہے، جہاں انسان اس حالت میں اپنے خالق و مالک کی طرف متوجہ ہو اور کوئی گیان یا واجدان کی کیفیت پیدا ہو۔ تاہم یہ تعمیراتی نمونے جلد ہی قدرت نے طاقِ نسیان کر دیے اور اسلام کے آنے سے پہلے ہی قدرت نے ان اخلاق دشمن اور اخلاق سوز مناظر کو دنیا کی نگاہ سے اوجھل کر دیا۔ ریگستانی علاقے کی ہواؤں سے قدرت نے ان کو ریت کی چادر اوڑھا دی اور مصر کے عظیم الشان اہراموں کی طرح یہ بڑی بڑی عمارتیں AS IT IS دفن ہوگئیں۔ اہرام مصر بھی 1300 ق م تک کئی صدیوں میں تعمیر ہوئے اور یہ مصنوعی پہاڑ تھے سب سے بڑا اہرام خوفہ کا اہرام کہلاتا ہے جو 880 فٹ لمبا اور 880 فٹ چوڑا اور 480 فٹ اونچا مخروطی شکل میں تھا، یہ عمارت کیا تھی؟ 10 فٹ لمبے، 10 فٹ چوڑے اور 10 فٹ اونچے پتھروں کا ایک ڈھیر تھا جو سامنے تھا اگرچہ اس کے اندر بے شمار کمرے، راہداریاں، ہال، قبریں، آنے جانے کے راستے، ہوادان وغیرہ تھے۔ مگر قدرت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں فرعونِ مصر رعمیسس کے غرق ہونے کے واقعہ سے فرعون کا دور ختم کر دیا اور لیبیا کے صحراؤں کی ریت نے جلد ہی ان کو ریت میں دفن کر دیا اور یہ اہرام تقریباً 2800 برس دنیا کی نگاہوں سے اوجھل رہے تا آنکہ 1880ء میں وہاں عصر حاضر کے آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے کھدائی کر کے ان کو دریافت کیا۔ اسی طرح قدرت نے بے حیائی کے ان مناظر کو مسلمانوں کی آمد اور خدا شناسی کے دور میں نگاہوں سے اوجھل کر دیا تا آنکہ انیسویں صدی میں آثارِ قدیمہ کی تلاش کے مشن نے ان کو دریافت کیا۔

جین مت کے یہ مندر وسطی ہند سے دوسرے علاقوں میں بھی پھیلے تھے اور اسی قسم کا ایک عظیم مندر سومنات میں بھی تھا۔ سومنات ہند کی ریاست گجرات میں ساحل سمندر پر واقع پُر فضا مقام ہے جہاں نہایت دشوار گذار جگہ پر یہ مندر بنا ہوا تھا۔ اگرچہ مذہبی ہندوؤں کے نزدیک

(جس میں ویدوں اور اپنشدوں کی تعلیمات شامل ہیں) یہ ہند کا سب سے بڑا مندر ہے اور اس مقام کے عین مغرب میں عرب میں سب سے بڑا 'مندر' ہے یعنی مکہ میں بیت اللہ۔ کتنی صحیح پیشینگوئیاں ہندو مذہب میں بھی موجود ہیں مگر جب اس مکہ سے ہندوؤں کے اصل عقائد کے مطابق وہ 'محمد ﷺ' تشریف لائے اور ان کے خادموں کے ہاتھوں سے اسلام سندھ میں آیا تو ہندومت اور جین مت نے بالعموم اس کو رد کر دیا۔ یہ مکہ شہر جو اسلام میں امن کا گھر بنا دیا گیا ہے اسی 'امن کے گھر' کی اصطلاح کو ہندو روایات میں 'ایودھیا' یا 'اجودھیا' یعنی جہاں جنگ نہ ہو' کہا گیا اور اس کی فرضی جگہ 'ایودھیا' جہاں بابری مسجد ہے، تصور کر لیا گیا ہے اور اس کو اپنے تصور میں 'رام کی جنم بھومی' قرار دے کر مقدس بھی سمجھ لیا گیا ہے۔ (یہود نے بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ سے دشمنی میں کعبہ، صفا، مروہ اور قربان گاہ فلسطین میں ہی فرضی بنالی تھیں)

اسلام کا ہند میں پہلا داخلہ حضرت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے 711ء میں تھا اور چونکہ حکومت بھی قائم ہوگئی تھی لہٰذا اس کے اثرات بھی قائم رہے اور شاہراہ ریشم کا عالمی تجارتی راستہ ہونے کی وجہ سے بھی یہاں مسلمانوں کی آمد و رفت جاری رہی خود مسلمانوں میں 711ء کے جلد ہی بعد 750ء کے قریب بنواُمیہ خاندان کی حکومت ختم ہوگئی اور عربوں کے ایک دوسرا خاندان بنوعباس کی حکومت قائم ہوگئی اور یہ حکومت 1258ء تک قائم رہی۔ اس دور میں سندھ و ہند پر براہِ راست توجہ کر کے تو مسلمانوں نے زیادہ فتوحات نہیں کیں مگر دور دراز سرحدی علاقہ ہونے کی وجہ سے عسکری و سیاسی طور پر اس سے غافل بھی نہیں رہے۔

نظریاتی طور پر 800ء سے لے کر 1206ء تک ہند میں ہندو نظریات میں جان نہیں تھی اور ان کے پاس اسلام کے پاکیزہ نظریات اور پاکیزہ تہذیب کے مقابلے میں انسانیت کو دینے کے لیے (TO DELIVER) کچھ نہیں تھا اس لیے خود مسلمانوں نے پیش رفت جاری رکھی اس عرصے میں مسلمان صوفیاء نے آ کر یہاں تبلیغ کی ہے اور ہزاروں لاکھوں کو مسلمان کیا ہے یہ سلسلہ کئی صدیاں جاری رہا۔ ان بزرگوں میں بابا فرید پاکپتن، شیخ معین الدین اجمیری، شیخ علی ہجویری داتا گنج بخش اور دیگر صوفیاء شامل ہیں۔ درّہ خیبر کے راستے سے دوسرا بڑا داخلہ افغانوں کی فوجی مہمات کے ذریعے ہوا۔ سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری نے افغانستان سے آ کر

ملتان ـــــ لاہور سے آگے کئی حملے کیے صرف سلطان محمود غزنوی نے 17 مرتبہ ہند پر فوج کشی کی اور وسطی ہند میں ہندومت (جین مت) کا مضبوط مرکز توڑنے کے لیے یہ ضروری تھا۔ غزنوی کی انہیں سترہ فوجی مہموں میں سے ایک مہم سومنات پر حملہ بھی تھا۔ کسی نے کہا تھا کہ وسطی علاقے چاہے مسلمان فتح کرلیں جب تک بڑا مندر (سومنات) قائم ہے ہندومت کبھی شکست تسلیم نہیں کرے گی۔ چنانچہ وہ مندر جو جین مت (ہندو کا لبرل اور آزاد خیال طبقہ، یہود کی صہیونیت کی طرح) نے بے حیائی اور فحاشی سے بدبودار کردیے تھے ان کو گرانے کے لیے محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے سومنات کے لیے سب سے بڑی مہم جوئی کی ہے۔ افغانستان سے سومنات کوئی 2000 کلومیٹر ہے لاہور سے ذرا نیچے سے گزر کر چولستان کا صحرا عبور کیا گیا پھر راجپوتانہ کا تھر اور ملحقہ صحرا عبور کیا گیا اور کاٹھیاوار گجرات کے علاقے سے گزر کر ساحل سمندر پر غزنوی جا پہنچا اور بڑی شدید جنگ کے بعد 1028ء میں سومنات فتح کرلیا اور فحاشی کے مندر کو زمین بوس کردیا۔ غزنوی سومنات مندر کا دروازہ اپنے ساتھ غزنی لے آیا تھا اور وہاں نصب کرایا۔ 1947ء کے بعد بھارت نے اس مندر کی ازسرنو تعمیر کی تو افغانستان کی داؤد حکومت سے وہ سومنات کا دروازہ واپس لیا اور تقریباً ہزار سال بعد لے جا کر دوبارہ اس کو وہیں لگا دیا۔ افغانستان اور بھارت کی دوستی میں اسی غزنوی کی معنوی 'اولاد' کا یہ احسان شامل ہے جو دراصل بھارت کی سے غزنوی کے سومنات گرانے کا بدلہ ہے۔

محمود غزنوی کی واپسی پر وہ اپنے غلام ایاز کو لاہور کا حاکم بنا کر گیا تھا اور ملتان کے بعد لاہور مسلمان حکومت کا مرکز بنا۔ پھر اس حکومت میں وسعت ہوتے ہوتے 1206ء میں دہلی کو دارالحکومت بنا کر مسلمانوں نے پورے ہند میں حکومت کی بنیاد رکھی۔ 1206ء سے 1528ء تک جو مسلمان حکمران آئے وہ یہ ہیں:

1206ء تا 1290ء: خاندانِ غلاماں (نسلاً ترک) قطب الدین ایبک (غوری کا غلام)۔ التمش۔ رضیہ سلطانہ۔ ناصر الدین محمود۔ غیاث الدین بلبن (التمش کا غلام)

1290ء تا 1320ء: خلجی خاندان (ترک) جلال الدین خلجی (چچا) علاء الدین خلجی (بھتیجا)

1321ء تا 1413ء: تغلق خاندان (ترک) غیاث الدین تغلق۔ محمد تغلق۔ فیروز شاہ تغلق۔ محمود تغلق۔

1414ء تا 1451ء: (سیّد خاندان) سیّد خضر خان، سیّد علاء الدین عالم شاہ

1451ء تا 1526ء: لودھی (پٹھان) بہلول لودھی۔ سکندر لودھی۔ ابراہیم لودھی

اس دوران بغداد میں چنگیز خان اور ہلاکو خان کے حملوں سے بنو عباس کی حکومت ختم ہوگئی اور سقوطِ بغداد کے بعد پورا علاقہ چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں میں بٹ گیا۔ اسی طرح کی ایک حکومت افغانستان میں چنگیز خان کے خاندان سے ظہیر الدین بابر بھی تھا۔ اس نے غزنی میں حکومت قائم کی اور 1528ء میں ہند پر حملہ کر کے دہلی کے تخت پر قبضہ کر لیا اور اس طرح ایک خاندان کا اقتدار شروع ہوا جو کئی صدیاں قائم رہا۔ مغل حکمرانوں میں یہ حکمران گزرے ہیں۔

ظہیر الدین بابر: 1496ء تا 1530ء

ہمایوں: 1530ء تا 1556ء

اکبر: 1556ء تا 1605ء

جہانگیر: 1605ء تا 1627ء

شاہ جہاں: 1627ء تا 1657ء

اورنگ زیب عالمگیر: 1657ء تا 1707ء

ان میں وسعت کے اعتبار سے یا تو اکبر کی حکومت تھی اگرچہ اس نے اسلام ترک کے دین الٰہی ایجاد کر لیا تھا یا اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت تھی جو کابل سے برما تک قائم تھی اور اس کا 50 سالہ دورِ حکومت اسلام کے لحاظ سے تو بہت اعلیٰ تھا اگرچہ ہندو کے نقطۂ نظر سے صاف ظاہر ہے کہ اکبر کا دور اچھا تھا اور ہندو مؤرخ اسی کو 'مغل اعظم' کے نام سے جانتے ہیں۔

اسلام کی آمد کے بعد ہندومت کچھ عرصے تو سہمی رہی اور ان کا لبرل اور آزاد خیال طبقہ جین مت اپنے خیالات سمیت پس پردہ چلا گیا مگر جب مسلمانوں نے دہلی فتح کر کے 1206ء میں وہاں حکومت قائم کر لی اور یہ سلطنت وسعت پذیر ہو کر پورے ہند پر پھیلتی نظر آئی تو ہندومت کو فکر دامن گیر ہوئی کہ کیا کیا جائے۔ چنانچہ مغلوں کا دور آتے آتے 300 سالوں کے دوران ہندوؤں نے تین واضح سمتوں (FRONTS) سے مسلمانوں اور اسلام پر حملہ کر دیا۔

ہندومت اور اسلام آمنے سامنے

ہندومت کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں پر کیے گئے تین اطراف سے وہ حملے یہ تھے:

1۔ اس حملے میں ہندومت نے ہندو یوگی (جوگی یا ہماری اصطلاح میں درویش) اس ہدایت کے ساتھ پھیلائے کہ اسلام اور ہندومت میں کوئی فرق نہیں۔ ہندو بھی توحید کو مانتے ہیں مسلمان بھی۔ لہٰذا ہر کوئی اپنی جگہ پر قائم رہے دوسرے کو تسلیم کیا جائے۔ دوسرے کے عقائد کو چھیڑا نہ جائے سب مذہب ٹھیک ہیں۔ اس میں شدت نہیں ہونی چاہیے۔ بھگت کبیر اور اس طرح فقیر منش لوگ جگہ جگہ عوام کو اسلام اور ہندومت کو ایک ثابت کرنے کے لئے پھیل گئے اور اس سے بہت سارے لوگ متاثر بھی ہوئے اور یہ سوچ ایک فلسفہ بن گیا جس کی زد میں بڑی بڑی شخصیات آ گئیں۔

2۔ مسلمانوں کو ہندومت یا جین مت میں جذب کرنے کے لئے دوسرا حملہ سیاسی سطح پر تھا۔ اس سازش میں یہودیت اور عیسائیت شامل تھی کہ آسمانی مذاہب ایک ہزار سال کے لئے ہوتے ہیں اور اب اسلام کو ایک ہزار سال ہو رہے ہیں مغل حکمران اکبر کا عہد 1556ء سے 1605ء تک کا ہے، 1000ھ تقریباً 1594ء کے لگ بھگ ہے۔ لہٰذا اسی عرصے میں اکبر نے اسلام، ہندومت اور بدھ مت سے کچھ چیزیں اخذ کر کے ایک نئے دین کی بنیاد ڈال دی۔ یہ دین تھا 'دین الٰہی' لفظی معنی ہیں 'میرے اللہ کا دین' بڑا دلکش نام ہے مگر تھی شرارت۔ اکبر اور مغلوں نے بالعموم اس کو اس لئے قبول کر لیا تو اس سے سلطنت میں 'امن بین المذاہب' قائم رہے گا اور اتنی بڑی حکومت بھی قائم رہے گی اور طویل دور حکمرانی کے لئے اکبر کا دنیا میں نام رہے گا اور یہ نتائج بالفعل نکلے اور دور اکبری سیاسی و عسکری لحاظ سے امن و امان سے گزر گیا۔

3۔ ہندومت اور مسلمان کی کشاکش کا تیسرا فرنٹ وہ تھا کہ عوامی سطح پر ایک نیا مذہب کھڑا کر دیا جائے جو بظاہر مسلمانوں کے قریب ہو۔ چنانچہ ایک شخص جناب بابا گرونانک اٹھا اور اس نے عرب کے اسفار کئے بغداد، ایران گیا دیگر اسلامی ممالک کا سفر کیا اس دوران حج کیا مسلمان بنا رہا اور مسلمانوں کو قریب سے دیکھا کئی سال بعد واپس آ کر ____ سکھ مذہب کی بنیاد ڈال دی جس کے عقائد و اعمال مسلمانوں اور ہندوؤں سے لئے گئے ہیں۔ ڈاڑھی رکھنا ان کو مسلمانوں کے قریب کر دیتا ہے باقی معاملات میں وہ ہندوؤں کے ہی قریب تھے۔ بابا گرونانک کی وفات

1539ء میں 70 سال کی عمر میں ہوئی۔ ان کے رہنما گرو کہلاتے ہیں۔ یہ دراصل عسکری تحریک تھی پہلے اس نے اپنے نظریات کی اشاعت کی ہے اور پھر اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کے عہد سے (1699ء) عسکری اور باغیانہ سرگرمیاں شروع کر دیں۔ یہ وقت سلطنت مغلیہ کے زوال کا تھا کہ اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کی عمر زیادہ ہو رہی تھی اور بعد کے مغلوں میں اتنی بڑی سلطنت سنبھالنے کی صلاحیت اور جذبہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ لہٰذا گرو گوبند سنگھ کے بعد سکھ مسلسل مسلمان حکمرانوں سے لڑتے بھڑتے رہے سکھوں نے بالآخر مغلوں کے زوال کے بعد 1789ء میں زنجیت سنگھ کی سرکردگی میں حکومت قائم کرنے کی ابتداء کی اور 1846ء تک جلال آباد، پشاور، کشمیر سے لے کر ملتان تک حکومت کی ہے تا آنکہ انگریزوں نے حملہ کر کے سکھ حکومت ختم کر دی۔ سکھوں کے عہد حکومت میں نماز پر پابندی تھی، مسجدوں پر تالے تھے، اذان پر پابندی تھی، قرآن مجید لے کر باہر نکلنے پر پابندی تھی، شاہی مسجد لاہور گھوڑوں کا اصطبل تھا، شاہی مسجد کا سارا قیمتی پتھر اتار کر امرتسر لے جایا گیا اور گردوارہ پر لگا دیا گیا۔ (شاہی مسجد کی موجودہ شکل تو 1937ء میں سر سکندر حیات کی حکومت کے دوران پنجاب کے مسلمان کے زمینداروں پر ٹیکس لگا کر جمع شدہ رقم سے شروع ہوئی اور 1963ء میں مکمل ہوئی) ہندو بظاہر کہتا ہے کہ سکھ مسلمانوں سے نکلے ہیں۔ اگر اس بات میں ذرا بھی صداقت ہوئی تو مغلوں کے عہد میں وہ مسلمانوں سے برسر پیکار کیوں رہے؟ اور اپنے دور حکومت مسجدوں پر تالے کیوں تھے؟ شاہی مسجد لاہور میں اصطبل کا ہونا بھی سکھوں کا مسلمانوں کے مخالف کیمپ سے تعلق رکھنے کی دلیل ہے اور 1947ء میں تبادلہ آبادی کے موقع پر مسلمانوں کا قتل عام سکھوں کے دلوں میں مسلمانوں کی حیثیت کو ظاہر کر دیتا ہے۔

شہنشاہ اکبر کا مرتد ہونا اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تجدیدی مساعی

اسلام پر ہندوؤں کے حملوں، محلاتی سازشوں اور مغلوں کے حرم میں ہندوؤں کی عورتوں کے دخول سے اسلام کا مستقبل تاریک ہوتا نظر آیا تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے احیاء کی کوششوں کو آگے بڑھانے کے لئے کئی عظیم شخصیات کو پیدا فرمایا۔ شہنشاہ اکبر کے دین الٰہی جاری کرنے کے بعد سب سے پہلے جس مسلمان شخصیت نے انہیں چیلنج کیا اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی وہ مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

آپ نے قید و بند اور شاہانہ جبر و جلال کو بڑی استقامت سے برداشت کیا آپ نے اپنے خطوط کے ذریعے مغلیہ حکمرانوں کے علاقائی حاکموں اور اہل کاروں کو اسلام پر ثابت قدم رہنے کی دعوت دی۔ شہنشاہ اکبر کے باپ ہمایوں کے شیر شاہ سوری کے ہاتھوں شکست کے بعد ایران فرار ہونے اور 12000 کے لشکر کے ساتھ واپسی اور حکومت کی بازیابی سے مغلوں کو دوبارہ حکومت ملی۔ اس واقعے کے بعد ہمایوں کے ساتھ آنے والے شیعہ حضرات نے مغلیہ حکومت میں اہم عہدے حاصل کئے اور یوں شیعہ مذہب ہند میں پھیلا ورنہ ہمایوں سے پہلے ہند میں شیعیت نہیں تھی۔

سلطنت مغلیہ 1605ء تا 1707ء

سترھویں صدی پورے جنوبی ایشیا میں مغل حکمرانی کے عروج کا دور ہے اور اسلام کے غلبے اور برکات کا بھی۔ 1605ء میں اکبر کی وفات کے ساتھ ہی دین الٰہی کا فلسفہ بھی دفن ہو گیا اگرچہ اس کے شاہی خاندان بالخصوص شہنشاہ جہانگیر پر اثرات ختم ہونے میں چند سال لگ گئے۔ حضرت مجدد الف ثانی کو جہانگیر کے دور کا بھی ایک حصہ ملا۔ اس نے بھی آپ کو قید میں رکھا اور ایسا خطرناک قیدی کہ سفر و حضر میں ان کو ساتھ رکھتا، تاکہ کوئی سازش نہ ہونے پائے۔ بالآخر جہانگیر نے دین الٰہی اور شراب وغیرہ سے توبہ کر لی اور عدل و انصاف کا دامن تھام لیا۔

☆ اس کے بعد شہاب الدین شاہ جہاں کا دور ہے یہ دور پرامن تھا اور خوش حالی کا دور تھا۔ بادشاہ خود صالح اور خیالات پاکیزہ تھے اس کو عمارات بنانے کا شوق تھا اس نے مساجد، قلعے، باغ اور مقابر بنوائے۔ جہانگیر کا مقبرہ (لاہور) اسی نے بنوایا۔ شالامار باغ، لال قلعہ، اور تاج محل کی عمارات اسی کے عہد کی ہیں اور مسلم نظریات کی آئینہ دار ہیں۔

☆ شاہ جہاں کے بعد اس کا بیٹا اورنگ زیب تخت نشین ہوا۔ حضرت مجدد الف ثانی کی کوششوں سے شہنشاہ اکبر ہی کے خاندان میں چوتھی پشت میں اورنگ زیب جیسا مثالی مسلمان درویش حکمران پیدا ہو گیا اس نے بالفعل اسلام کے نفاذ کے لئے شریعت کو عدالتی زبان میں لکھوایا (CODIFIED LAW) اور اس فتاویٰ عالمگیری کو نافذ بھی کر دیا۔ اس کے عہد حکومت میں ہندوؤں سے جنگیں بھی بہت اہم ہیں اورنگ زیب نے 1707ء میں وفات پائی۔

مغلوں کے زوال کے بعد ہندو کا خواب اور مرہٹہ قوت کا فروغ

ہندوؤں نے شہنشاہ اکبر کے دین الٰہی جاری کرنے پر اپنے منصوبے کے مطابق سوچا تھا کہ اب مسلمان ختم ہو جائیں گے ان کے بادشاہ بے دین، اسلام سے دور، عیاش ہو جائیں گے ان کے گھروں میں ہندو عورتیں تبلیغ کا کام کریں گی تو ان کی اولادیں ہندومت رجین مت کے زیادہ قریب ہوں گی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو جو منظور تھا وہی ہوا۔ حضرت مجدد الف ثانی کی محنت سے دین اکبری، شہنشاہ اکبر کے عہد میں ہی محدود ہو گیا تھا اور اس کی وفات کے بعد ختم ہو گیا۔ جہانگیر بادشاہ نے دین الٰہی سے توبہ کر لی اور اچھا وقت گزارا۔ شاہ جہاں کا عہد ہندومت کے نظریات کا جواب تھا اور اورنگ زیب نے مثالی مسلمان حکمران کا روپ دھار لیا اور ہندو عسکریت کا راستہ روک دیا۔ ہندو منصوبے کے مطابق اکبر کے دین الٰہی جاری کرنے کے ساتھ ہندومت رجین مت نے عسکری منصوبہ بندی شروع کر دی تھی۔ یہ مغلیہ سلطنت گرنے والی ہے تو پورے ملک پر جین مت کی حکمرانی ہوگی۔ جنوب مشرقی ہند میں مرہٹوں نے منظّم انداز میں تیاری کی مگر شہنشاہ اکبر کی وفات کے بعد مغلیہ حکومت مستحکم ہوگئی مرہٹوں کی تیاری اور پورے ہند پر حکومت کا خواب چکنا چور ہوتا نظر آیا تو مغلوں سے ٹکر لے لی۔ ہندو تعداد میں ہند میں مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھے اور مغلوں کے خلاف تیاری میں انہوں نے اسے ایک نظریاتی جنگ قرار دے کر تیاری کی تھی۔ لہٰذا اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کی حکومت سیاسی استحکام اور اسلام کے نفاذ سے ہندو نے تنگ آمد بجنگ آمد کے انداز میں مغلوں سے جنگ شروع کر دی اور جنوبی ہند میں بغاوت کا سا ماحول پیدا کر دیا۔

مرہٹہ قوت کی سرکوبی_ اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کا کارنامہ

اورنگ زیب کے عہد حکومت میں مرہٹہ قوت نے اس زور دار اور جنونی انداز میں سر اٹھایا کہ قریب تھا کہ جنوبی ہند میں بغاوت پھیل کر پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا مگر غازیٔ اسلام محی الدین اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی جوان مردی دکھائی اور مرہٹہ قوت کو کچل کر رکھ دیا۔ ہندومت کی اس بغاوت اور مسلمانوں سے جنگ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ نے پچاس سال حکومت کی اس عرصہ میں سے 25 سال اسے مرہٹہ قوت کو

دبانے کی سرگرمیوں کی مصروفیت کی وجہ سے دہلی سے باہر رہنا پڑا۔ مگر بالآخر اورنگ زیب نے یہ اپریشن کامیابی سے مکمل کر کے ہندو بغاوت فرو کر دی۔ مرہٹہ قوت اورنگ زیب کی وفات کے بعد کمزور مغلیہ سلطنت میں بھی ساٹھ سال تک سر نہیں اٹھا سکی۔

1600 کے بعد انگریزوں کی آمد

جنوبی ایشیا پہلے بھی مگر مسلمانوں کے عہد میں مجموعی امن وامان کی وجہ سے مغرب اور بالخصوص یورپ میں مالی وسائل، اقتصادی استحکام اور سیاسی امن کی وجہ سے 'سونے کی چڑیا' کہلاتا تھا۔ مسلمان یورپ میں 711ء میں ہی (جس سال حضرت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سندھ وارد ہوئے تھے) طارق بن زیاد کے ذریعے مراکش کے شمال سے جبل الطارق کے ساحل سے یورپ میں داخل ہوئے اور ایک مستحکم حکومت قائم کر لی جو 1492ء تک آٹھ صدیاں قائم رہی۔ یہاں مسلمان سپین کے علاوہ دیگر ملحقہ علاقوں پرتگال، فرانس جنوبی یورپ پر حکمران رہے۔

دوسری طرف 1453ء میں عثمانی ترکوں نے قسطنطنیہ فتح کر کے اسلام کے یورپ میں داخلے کا مشرقی شاہدرہ بھی کھول دیا تو مسلمان جلد ہی پیرس (فرانس کا دارالحکومت) بلکہ برطانیہ تک جا پہنچے تھے۔ پورا مشرقی یورپ اور روسی علاقہ سمیت سارا علاقہ سلطنت عثمانیہ میں شامل تھا۔ 1600_1700 تک سلطنت عثمانیہ دنیا کی تاریخ کی سب سے بڑی سلطنت تھی۔

سپین میں مسلم اقتدار کا خاتمہ 1492ء میں سقوطِ غرناطہ سے ہوا۔ مسلمانوں کے عہد حکومت میں سپین میں علم اور روشنی تھی جبکہ یورپ جہالت میں ڈوبا ہوا تھا جسے وہ اپنے لئے آج بھی عہد جہالت (DARK AGES) کہتا ہے حالانکہ اس میں انہوں نے مسلمانوں سے کئی مذہبی جنگیں صلیبی جنگوں کے نام سے لڑی تھیں سپین کی درس گاہوں سے یورپ کے نوجوان پڑھ کر وطن جاتے تھے۔ سقوط غرناطہ کے بعد یورپ میں بیداری کی ایک عام لہر پیدا ہوگئی اور وہ سائنسی علم جو سپین میں غرناطہ اور اشبیلہ کی درس گاہوں سے یورپی نوجوانوں نے سیکھا اس کو آگے بڑھایا، علمی نشاۃ ثانیہ کر دی اور سائنسی علم اور صنعتی ایجادات کے ذریعے ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ مشینوں کی ایجاد سے یورپ کو اپنے مال کی فروخت کے لئے منڈیوں کی تلاش شروع ہوئی زمینی راستے میں مسلمان چھائے ہوئے تھے لہٰذا مشرق میں مغلیہ حکومت کے ہاں جانے کے لئے کوئی براہ راست

راستہ موجود نہیں تھا۔ البتہ مغرب کی طرف یورپی اقوام نے براعظم امریکہ دریافت کرلیا۔ مشرق کی طرف جانے کے لئے ترک مسلمان ملاحوں کی رہنمائی سے ایک برطانوی ملاح (SAILOR) نے جنوبی ایشیا کے پاس سے گھوم کر بحیرہ عرب میں واپسی کا راستہ 1492ء میں دریافت کرلیا۔ اس طرح طویل سفر کرکے یورپی اقوام کو جنوبی ایشیا میں آنے کا راستہ مل گیا۔ بحیرہ عرب میں یورپی اقوام کو جگہ ملی تو خلیج بنگال میں کلکتہ کے پاس۔ کئی یورپی اقوام آگے انڈونیشیا، ملائیشیا وغیرہ چلی گئیں۔ جنوبی ایشیا میں آمد ہوئی تو تجارت کی غرض سے تھی، برطانیہ میں 1602ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی قائم ہوئی جس نے بنگال کے ساحلی علاقوں میں تجارتی رہائشی گودام وغیرہ تعمیر کیے مغلوں نے باقاعدہ اس کی اجازت دے دی تھی۔ مگر تاجر پیشہ انگریز نے بدعہدی کرکے مغلوں کی احسان مندی کا جواب یہ دیا گیا کہ اسلحہ جمع کرنا شروع کردیا اور تجارت کے فروغ کی آڑ میں علاقے فتح کرنے کا منصوبہ بنالیا۔

برطانوی تاجر_ اور_ ہندو گٹھ جوڑ

ایسٹ انڈیا کمپنی کو جنوبی ایشیا میں مقامی پارٹنر (LOCAL PARTNER) کے طور پر ہندو مل گیا۔ ہندو کا ایک مؤثر طبقہ پہلے ہی تاجر پیشہ تھا اور اس میں ماہر تھا۔ انگریز کے ساتھ مل جانے سے ہندو کو عالمی تجارت کا حصہ بننے کا موقع مل گیا۔ ہندو کئی صدیوں سے مسلمان حکومتوں میں بھی اہم عہدے پر قائم تھے مگر انگریز نے عیارانہ طور پر ہندو کو مسلم حکمرانی سے نجات کا لالچ دے کر ساتھ دینے پر آمادہ کرلیا۔ تجارت کے رابطے سے ہندو پہلے ہی انگریز سے منسلک تھا لہٰذا تجارتی مفاد کے حصول کے لئے ہندو نے انگریز کا مسلمانوں کے خلاف ساتھ دینے کی حامی بھرلی۔

انگریز کو مقامی تعاون (LOACAL SUPPORT) ملنے کے بعد پاؤں پھیلانے کا موقع بھی مل گیا اور وسائل بھی اس کے پاس تھے لہٰذا منصوبہ آگے بڑھتا رہا۔ جب اورنگ زیب کے ہاتھوں مرہٹہ قوت کو شکست ہوئی تو ہندو کو مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لئے انگریز کا ساتھ دینے میں اپنا روشن مستقبل نظر آیا۔ چنانچہ اندرون خانہ سازشوں کا جال بچھا کر انگریز نے بنگال میں 1753ء جنگ پلاسی چھیڑ دی سراج الدولہ کو شکست ہوئی اور بنگال پر قبضہ کرکے میر جعفر نامی مسلمان غدار کو حکمران بھی بنادیا۔

مرہٹہ قوت کی دہلی پر قبضہ کے لئے قسمت آزمائی

مرہٹہ قوت نے تن تنہا ___ مغلیہ سلطنت کے زوال کے آثار دیکھ کر ایک دفعہ اور قسمت آزمائی کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ تین لاکھ مرہٹہ جانثار جنگجو جنوبی ہند سے دہلی کی طرف پیش قدمی کرنے لگے۔ مسلمانوں کو واقعی زوال آچکا تھا اور مغلیہ حکومت کمزور ہوچکی تھی اس میں جان ہی نہیں تھی کہ مرہٹہ قوت کا مقابلہ کرسکے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے وقت میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو ایسی بصیرت دی کہ انہوں نے مسلمانوں کی کمزوری کو بھانپ کر شکست کے آثار دیکھے تو انہوں نے دہلی سے قندھار میں مسلمان حکمران احمد شاہ ابدالی کو خط لکھ کر حالات سے آگاہ کیا۔ ہند میں مسلمانوں کے مخدوش مستقبل اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر ہند پر حملہ کرکے مرہٹہ قوت کو لگام دینے کی درخواست کی۔ احمد شاہ ابدالی ایک جانباز فوج لے کر آیا اس کے ساتھ توپیں بھی تھیں، مقامی لوگوں میں سے بھی لوگوں نے اس کا ساتھ دیا تقریباً ایک لاکھ جانثاروں کے ساتھ اس نے تین لاکھ مرہٹہ فوج کا پانی پت کے میدان میں 1761ء میں مقابلہ کیا اور فتح پائی۔ آدھی مرہٹہ فوج قتل کردی گئی اور باقی فرار ہوگئی۔ ہند میں مسلم اقتدار کو نئی جان مل گئی۔ احمد شاہ ابدالی کو اس فوجی مہم کے منطقی نتیجہ کے طور پر مرہٹہ قوت کا پیچھا کرکے اس کے مستقلاً ختم کرنا چاہئے تھا مگر اس کے اپنے ملک میں داخلی حالات خراب ہونے کی وجہ اسے جلدی جانا پڑا اگر یہ MOPPIN-UP OPERATION ہوجاتا تو مرہٹہ قوت دوبارہ سر نہ اٹھا سکتی۔ تاریخ کا یہ قرض ہے جو مسلمانوں کے ذمے ہے۔

پانی پت کے میدان میں 1761ء میں ہندو کو ایسی شکست ہوئی کہ اس نے مسلمانوں سے عسکریت کے میدان میں مقابلہ کی بجائے ایسٹ انڈیا کمپنی کا ساتھ دے کر مسلمانوں سے انتقام لینے کا فیصلہ کرلیا۔

باب 7

جنوبی ایشیا میں
انگریز__ ہندو__ اور مسلمان

- ☆ ہندو انگریز مفاہمت
- ☆ جنوبی ایشیا پر برطانوی استعمار کا قبضہ
- ☆ برطانوی استعمار کے دورِ حکومت میں ہندو اور مسلمان
- ☆ برطانوی ہند میں ہندو مسلم فسادات

قدرت نے جنوبی ایشیا میں مسلم اقتدار کے خاتمے کا کام انگریز سے لیا اور ہندو نے اس معاملے کئی وجوہات کی بنا پر انگریز کا ساتھ دیا۔ تاریخ کے اس باب پر بھی توجہ کی ضرورت ہے تا کہ ہندو مسلم کشاکش کے پس منظر کو سمجھا جا سکے۔

ہندو انگریز مفاہمت

ہندو نے مسلمانوں کے اقتدار کے خاتمے کی آرزو کے سلسلے میں انگریزوں کی آمد کو غیبی امداد سمجھا اور ان کی مدد کر کے اپنے ادھورے خواب پورے کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ ہندوؤں کی مدد کے بغیر انگریز ہند پر کبھی قابض نہیں ہو سکتا تھا۔ لکڑی کاٹنے کے لئے کلہاڑے یا تیشہ میں لکڑی کا ایک دستہ تیشے کے کام کرنے کے لئے ضروری ہے۔ ہندو نے انگریزی استعمار کے لیے مسلمانوں کے خلاف تیشے میں لکڑی کے دستے کا کام کیا ہے۔ بعد ازاں اسی انگریز کو نکالنے کے لئے پھر دو صدیاں انتظار کرنا پڑا۔

جنوبی ایشیا پر برطانوی استعمار کا قبضہ

تجارت کی غرض سے آئے برطانوی لوگوں نے عیّاری اور ہندو کی مدد سے یہاں پورے خوشحال ملک پر قبضہ کر لیا۔ یہ دراصل ہندو قبضہ ہی تھا اس لئے کہ انگریز ہندو کا احسان مند تھا اور ہندو کو ہر شعبہ حیات میں مراعات دے رہا تھا۔

ٹیپو سلطان نے میسور میں 1799ء میں انگریز کے خلاف لڑتے ہوئے شہادت پائی تو انگریز کو دہلی تک پہنچنے میں صرف تین سال لگے۔ 1803ء میں مغل حکمران کے دربار میں انگریز نگران (RESIDENT) نے بیٹھنا شروع کر دیا تا کہ حکمرانوں کے رابطوں اور فیصلوں کی نگرانی ہو سکے نیز معاملات اس کے مشورے سے طے پانے ضروری تھے۔ اس طرح جنوبی ایشیا میں مسلم

اقتدار کا سورج ڈھل گیا اور بالآخر 1857ء میں غروب ہو گیا۔

1857ء میں آزادی کی تحریک چلی جنگ کی نوبت بھی آئی مگر اس ساری کارروائی میں مسلمان پیش پیش تھے۔ ہندو نے تو صرف خانہ پری اور مسلمانوں کو دکھانے کے لئے ساتھ دیا اور اس تحریک کی ناکامی کے بعد انگریز حاکموں کا سارا عتاب بھی مسلمان پر ہی تھا۔

برطانوی استعمار کے دورِ حکومت میں ہندو اور مسلمان

برطانوی سامراج نے پورے ہند پر قبضے کے بعد برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی سے اقتدار لے کر براہ راست تاج برطانیہ کا کنٹرول قائم کر لیا اور یوں پورا جنوبی ایشیا صہیونی یورپی استعمار تاج برطانیہ کے زیر نگیں آ گیا۔

اس دور میں 1857ء_ 1947ء انداز حکومت مغربی ہو گیا۔ ڈاک کا نظام___ ریلوے کا نظام___ تعلیمی ادارے___ علمی ترقی___ اور پورے ملک میں آنے جانے کی آزادی نے ایک نئے کلچر کو جنم دیا اور اسی ماحول میں ہندو مسلم کشاکش نے جنگ کی بجائے 'فسادات' کا رُوپ دھار لیا۔ اس لئے کہ اب انگریز کی حکومت تھی اور ہندو مسلم میں جنگ کا امکان نہیں تھا۔

برطانوی ہند میں ہندو مسلم فسادات

برطانوی ہند میں انگریز نے 'لڑاؤ اور حکومت کرو' کی پالیسی کے تحت ہندو مسلم فسادات کو ہوا دی۔ نیز انگریز نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی لہٰذا مسلمانوں کے دل میں اس کا داغ اور درد تو تھا ہی، پھر خطرہ تھا تو مسلمانوں کی طرف سے ہی تھا کہ کہیں پھر بغاوت پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ لہٰذا برطانوی سامراج نے بالارادہ مسلمانوں کو دباؤ میں رکھا اور یقیناً ہندو سے نرمی کا رویّہ روا رکھا گیا۔ اس ماحول میں ہندو مسلم فسادات آئے دن نئے طریقوں سے سامنے آئے۔ ذرا ذرا سی بات پر ہندو مسلم فسادات برپا ہو جاتے اور مسلمان مارے جاتے جبکہ ہندو کو انگریز تحفظ دیتے رہے۔

اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَاشَاءَ

وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

وَلَایَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا

وَهُوَالْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

باب 8

برطانوی غلامی سے آزادی کی تحریک میں
ہندو اور مسلم کا کردار

- ☆ ہندو میں جذبۂ آزادی
- ☆ مسلمانوں میں جذبۂ آزادی
- ☆ ہندو اور آزادی
- ☆ تحریک آزادی_ علامہ اقبال_ گاندھی جی
- ☆ تقسیم ہند میں ہندو کا غیر منصفانہ کردار
- ☆ پاکستان ایک نوزائیدہ اسلامی ریاست
- ☆ بھارت اور پاکستان 1947ء_2014ء تک

آزادی ایک نعمت ہے اور ہر شخص ہر قوم اور ہر نظریہ کا آدمی آزادی کا خواہاں ہے اور اپنی آزاد مرضی کے مطابق اپنے اجتماعی معاملات چلانا چاہتا ہے۔ اس کے برعکس غلامی ایک ذِلت ہے وہ انفرادی غلامی ہو یا قومی سطح کی غلامی کسی نظریہ یا مذہبی کتاب میں لکھا ہو یا نہ لکھا ہو انسانی غیرت اور 'اَنا' غلامی سے نفرت کرتی ہے۔

ہندو میں جذبۂ آزادی

عجیب بات ہے کہ ہندو اور مسلم کے ہاں غلامی اور آزادی کے تصورات کا ہی بڑا فرق ہے۔ ہندو کے ہاں آزادی کا مطلب صرف برہمن کی آزادی ہے اس لیے کہ ہندو کے ہاں جو ذات پات کی تمیز مستقل بنیادوں پر طے کر دی گئی ہے اس میں آزاد مرضی تو صرف برہمن کی ہے یا قدرے کھشتری ذات کے لوگوں کی۔ جبکہ ویش اور شودر تو اپنے مذہب میں بھی غلام ہیں اور ان کی آزادی پہلے ہی سے سلب کر لی گئی ہے۔

ہندو قوم میں جب انگریز کی غلامی کا مرحلہ آیا تھا تو صرف برہمن اور کھشتری کی آزادی سلب ہوئی تھی اور کوئی رکاوٹ یا قدغن (BARRIERS) انگریز نے کھڑے کیے تھے تو وہ صرف اونچی ذات کے ہندوؤں کے لیے تھے جبکہ انگریز کے کئی اقدامات مثلاً ستی کی رسم کا خاتمہ (ستی وہ رسم تھی کہ شوہر کی وفات کے بعد چونکہ ہندو مذہب میں دوسری شادی کا تصور انتہائی معیوب سمجھا جاتا ہے لہٰذا جوانی میں کسی عورت کا بیوہ ہونے کا تصور بقیہ ساری زندگی میں 'بیوگی' کا روگ لیے پھرنے سے شوہر کی چتا کے ساتھ ہی زندہ جل کر ہلاک ہو جانا زیادہ بہتر خیال کیا جاتا تھا۔ اس رسم کو انگریز نے ختم کر دیا تو آدھی ہندو آبادی یعنی عورت ذات کے لیے تو یہ باعث رحمت تھا کئی دیگر اقدامات جن سے نیچ ذات کے ہندوؤں کو RELIEF ملا وہ نیچ ذات کے ہندوؤں کے لیے رحمت تھے۔

تاہم ہندو کے ہاں آزادی کی تحریک چلی اور 1857ء کے جلد ہی بعد ایک انگریز نے ہند کے عوام کی بہتری کے لیے کانگریس (CONGRESS) کے نام سے جماعت بنائی جس کا پورا نام آل انڈیا نیشنل کانگریس تھا، جو وقت کے ساتھ ساتھ صرف ہندو مفادات کی جماعت بن گئی۔

مسلمانوں میں جذبۂ آزادی

مسلمانوں کے ہاں بھی آزادی کا تصور تھا مگر وہ سب مسلمانوں کا مشترکہ اور یکساں تھا اس لیے کہ مسلمانوں کے ہاں کوئی طبقاتی تقسیم نہیں ہے کہیں ظلم اور ناانصافی در آتی ہے تو کم از کم وہ مستقل بنیادوں پر کسی تقسیم کا نتیجہ یا شاخسانہ نہیں ہے۔ اسی طرح غلامی کا تصور ہے اور اجتماعی غلامی تو بہت بُری شئے سمجھی جاتی ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں غلامی کے ادوار آئے ہیں مگر وہ قرآن کی رو سے دین سے دوری کی وجہ سے آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب انگریز نے 1803ء میں دہلی میں اقتدار پر در پردہ قبضہ کرلیا اور مغل بادشاہ کی موجودگی میں ہی اس کے اختیارات محدود کر دیے تو مسلمانوں کو اس اقدام سے ایک دھچکا لگا اور صاف ظاہر ہے کہ انگریز کی عملداری جیسے جیسے بڑھ رہی تھی اسی طرح آزادی کا دائرہ سکڑ رہا تھا۔ لہٰذا ـــــ مسلمانوں میں انیسویں صدی کے آغاز سے ہی غلامی کی مصیبت یا عذاب کا احساس اور آزادی کے حصول کا جذبہ پیدا ہو گیا اور دہلی کے علماء نے جہاد کا فتویٰ دے دیا کہ انگریز کے خلاف مسلح جنگ جائز ہے جبکہ ہندو کے ہاں ایسا تصور بہت بعد میں (ایک صدی بعد) پیدا ہوا اور اس میں عسکریت نہیں تھی۔

ہندو اور آزادی

ہندو میں آزادی کا حقیقی جذبہ ہوتا تو وہ برطانوی ہند میں 66% سے زیادہ تعداد میں تھے وہ اکیلے تحریک چلاتے تو انگریز کو نکال سکتے تھے مگر انہوں نے مغربی صہیونی استعمار کے زیر سایہ عالمی تجارت میں ایک مقام پیدا کرلیا۔ لہٰذا ـــــ ان کے آسودہ حال طبقات کو آزادی کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ ہندوؤں میں جو قدامت پرست (ORTHODOX HINDUS) ہیں ان میں شاید آزادی کی کوئی تڑپ ہو مگر وہ طبقہ تو دنیا سے لاتعلق تھا ان کی سرگرمیاں مسلمانوں کے دور میں

بھی چل رہی تھیں اور انگریز کے دور میں بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا لہٰذا ـــــ انہیں کسی تحریک کے چلانے کا خیال آنا محال تھا۔ رہے تعلیم یافتہ جدید لبرل اور آزاد منش ہندو، تو ان کو مراعات مل رہی تھیں اور زندگی کے ہر شعبے میں انگریز انہیں مسلمانوں پر ترجیح دیتا تھا لہٰذا ان کے اندر بھی کوئی حقیقی جذبہ آزادی نہیں تھا۔

ایک تیسری وجہ یہ تھی کہ چاہے مسلمانوں کی کوششوں سے انگریز کے جانے کے بعد ہندو اکثریت میں تھے اور لوکل باڈیز کی سطح کے انتخابات یا صوبائی سطح کی حکومتیں..... ہندو مستقبل میں مرکز میں بھی اپنی حکومت کا تصور کرتا تھا؛ لہٰذا ـــــ ہندو نے کچھ اقدامات آزادی کے لیے کیے تو تھے مگر ان میں اتنا جوش اور جذبہ نہیں تھا جتنا مسلمانوں کے جذبہ آزادی میں تھا۔ اسی لیے ہندوؤں میں آزادی کی تحریک میں انگریز کے خلاف دو صدیوں میں کبھی عسکریت کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا۔

1906ء میں ڈھاکہ میں چند نوابین نے آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے جماعت بنائی جو زیادہ فعّال تو نہ تھی مگر بعض معاملات میں اس نے مسلمانوں کو ہندو کے مقابلے میں حقوق ضرور دلوائے۔

آزادی کی تحریک میں مسلمانوں نے اس لیے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کہ مسلمانوں کا ایک زندہ نظریہ تھا ایسا نظریہ تھا جو حقیقتاً ہندو کے مقابلے میں کیا مغربی صہیونی نظریات کے مقابلے میں بھی زیادہ جاندار اور انسانی نفسیات کے زیادہ قریب تھا۔ یقین سے تو نہیں کہا جا سکتا مگر ہندو دانشوروں کو بھی اس حقیقت کا احساس تھا اور مغربی صہیونی استعمار کو تو اس کا خوف تھا اور اسی خوف کی وجہ سے وہ جنوبی ایشیا میں منصوبے سے ظلم و جبر کے ذریعے مسلط ہوا تھا اسی مفروضے کے تحت وہ مشرقِ وسطیٰ اور مشرق یورپ کے علاوہ روسی علاقوں میں پھیلی عثمانی سلطنت کو توڑ رہا تھا اور بالآخر اس نے 1924ء میں عثمانی خلافت کا خاتمہ کر کے اپنے تربیت یافتہ صہیونی سیاسی مہرے کو حکومت دے دی جس نے اسلامی قانون کو منسوخ کر کے رومن لاء نافذ کر دیا اور خلافت کی بجائے جمہوریت کا پودا لگا دیا جس کے زہریلے ثمرات ترکی آج تک کھا رہا ہے۔ وسیع سلطنت کے حصے بخرے کر کے اپنے من پسند پروردہ لوگوں، خاندانوں کو دے دیے۔

تحریک آزادی_ علامہ اقبال_ گاندھی جی

مسلمانوں کے زندہ نظریہ، اسلام کے مستقبل میں عالمی غلبے اور ہند سے اس کی ابتداء کی پیشین گوئیوں میں اتنی جان تھی کہ اللہ تعالیٰ نے برطانوی ہند میں علامہ اقبال جیسی شخصیت کو بیدار کر دیا جس نے مغربی تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود قرآن کو پڑھا سمجھا اور اس کے افکار کو جدید مغربی ذہن کے محاورے میں جدید تعلیم یافتہ دنیا کے سامنے رکھا اور مسلمانوں کے اندر اپنے کلام سے وہ جذبہ بھر دیا کہ خدا کی پناہ۔ شکوہ 1911ء، جوابِ شکوہ 1913ء، طلوعِ اسلام، پس چہ باید کرد، پیامِ مشرق، ابلیس کی مجلس شوریٰ، بانگ درا وغیرہ میں مسلم نوجوانوں کو ایسا پیغامِ آزادی دیا کہ انہوں نے انگریز کے خلاف تحریکِ خلافت برپا کر دی۔ ترکی میں انگریزوں کے ہاتھوں خلافت کا خاتمہ ہوا اور برطانوی ہند میں انگریز غلامی میں مسلمانوں نے انگریزوں ہی کے خلاف تحریک خلافت چلا کر ایسا گرما گرم سیاسی ماحول بنا دیا کہ انگریز کا اقتدار ڈول گیا اور محسوس ہونے لگا کہ شاید انگریز کا اقتدار ختم ہو جائے اسی لئے ہندو رہنما گاندھی کو بھی تحریک خلافت میں سازش کے ذریعے شامل کیا گیا کہ وہ اس جذبے کو ٹھنڈا کر سکے۔

اسی کلام اقبال کا اثر تھا کہ تحریک آزادی کے نتیجے میں 1947ء میں انگریز کو بھارت تقسیم کر کے جانا پڑا۔ انگریز بھی نہیں چاہتا تھا کہ علیحدہ مسلم ملک بنے اس لئے صہیونی منصوبے 1897ء سے مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیل کا بنا طے تھا جس کے لئے خلافت کا خاتمہ، پہلی جنگ عظیم، دوسری جنگ عظیم، UNO کا قیام وغیرہ کے اقدامات شامل تھے؛ لہٰذا پاکستان کا وجود اس نقشے میں MISFIT تھا۔ ہندو پہلے ہی خواب دیکھ رہا تھا کہ وہ دو ہزار سال بعد پورے ہند پر حکومت کرے گا؛ لہٰذا وہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ برطانوی ہند تقسیم ہو۔ اس نے بھارت 'ماتا' کا فلسفہ گھڑا اور گاندھی نے عام کیا مگر کیسی بودی ہندو 75% اکثریت تھی کہ وہ اپنے بھارت کے ٹکڑے کرا کے بھی خوشی سے اب تک یومِ آزادی مناتے ہیں۔ محسوس ایسے ہی ہوتا ہے کہ گاندھی جی نے جو کہا تھا کہ پاکستان میری لاش پر بنے گا اس میں سچائی نہیں تھی اور گاندھی جی پر کوئی آنچ نہیں آئی۔ ہندو نے اس موقع پر 1940ء_ 1947ء بڑی چالیں چلیں اور غیر ملکی مصنوعات کا بائیکاٹ وغیرہ کیا مگر یہ ظاہری دکھانے کے دانت تھے۔ ہندو فلسفے میں اگر گاندھی کی سوچ ہوتی اور غیر ملکی مصنوعات کے

بائیکاٹ کے جراثیم ہوتے تو ہندو کو انگریز کے بنگال میں تجارتی فروغ کے وقت بائیکاٹ کرنا چاہئے تھا دو صدیاں ہندو رہنماؤں اور تاجروں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کا برطانوی ہند میں زونل چیفس کا کردار ادا کیا اور مسلمانوں نے تحریک آزادی کی آواز اٹھائی تو ان کو بدیشی چیزوں اور انگریزوں کی مصنوعات کا نعرہ یاد آ گیا۔

برطانوی سلطنت میں 2007ء میں جو سرکاری دستاویزات عام کی ہیں اس کی رو سے نہ برطانوی حکومت تقسیم ہند کے حق تھی نہ کانگریس۔ صرف ایک مسلمان شاعر علامہ اقبال کے جذبے کی وجہ سے جو اس نے مسلمانوں میں بھر دیا تھا اس کی وجہ سے 'ہند' تقسیم ہو گیا۔

خداشناسی اور خدا بیزاری کی بنیاد پر نظریات بنتے ہیں اور نظریات کے تحت تہذیب و ثقافت ماکولات و مشروبات کا کلچر سامنے آتا ہے اور ہندو اور مسلمان سوچ، نظریات، ماکولات و مشروبات نیز حلال و حرام میں علیحدہ تھے یہی دو قومی نظریہ کہلایا اور تحریک پاکستان کے دوران ہندو اور مسلم دو الگ الگ قومیں کہلائیں۔

تقسیم میں ہندو کا غیر منصفانہ کردار

تقسیم ہند کے بارے میں ہندو مسلم اور برطانوی زعماء کے درمیان جو بھی اُصول طے ہوئے تھے ان اصولوں کا ہندو نے ایسا مذاق اڑایا اور خلاف ورزیاں کیں کہ

ع کسی بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

☆ پنجاب اور سندھ میں پاکستان اور بھارت کی سرحد کے لئے ریڈ کلف کی سربراہی کمیشن قائم ہوا مگر برطانوی حکومت کی ہندو نوازی اور ہندو نے ایسا منافقانہ کردار ادا کیا کہ انصاف کا خون کر دیا۔ جھوٹ اور بدیانتی، ریکارڈ میں ردوبدل وغیرہ وغیرہ کیا کیا کر کے کئی مسلم اکثریت کے علاقے بھارت کے حصے میں دے دیے۔

☆ کشمیر کا مسئلہ۔ برطانوی صہیونی حکومت کے لئے کشمیر خاص اہمیت کی ریاست تھی اور ہے اسے معلوم تھا کہ افغانستان، کشمیر، تبت لداخ کا علاقہ وہ جہاں سے شاہراہ ریشم گزرتی ہے اور یہی علاقہ قدیم خراسان کا مشرقی حصہ ہے۔ اسی علاقے میں 2500 سال سے مخلص یہود کی آبادیاں ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تین چار سال کی عمر سے 30 سال کی عمر غالباً اسی

علاقے میں گزاری ہے۔اس علاقے کی اہمیت ہے پھر اسلام کے مستقبل میں عالمی غلبے کی پیشین گوئیوں میں (جو صہیونیت سے کم از کم مخفی نہیں تھیں) خراسان سے عسکری و اخلاقی مدد جانے کا آسمانی وعدہ موجود ہے۔لہٰذا ـــــ مغربی استعمار کے نزدیک اس علاقے کو متنازعہ بنائے رکھنے میں اسرائیل (یہود) کا مفاد ہے اور ہندو نے اس صہیونی مفاد کے تحفظ کے لئے بے اُصولیوں کا جو معیار قائم کر کے بدنامی اپنے حصے میں لکھوائی وہ عبرت کا مقام ہے۔

☆ گجرات (کاٹھیاوار) بھارت کا ایک صوبہ ہے۔کراچی سے مشرق میں 600 کلومیٹر دور واقع ہے اسی صوبے میں سورت شہر ہے اور ساحل سمند پر سومنات کا قدیم مندر واقع تھا جسے 1028ء میں افغان فاتح سلطان محمود غزنوی نے گرا دیا تھا اور وہ 1947ء تک اسی حالت میں تھا اس ریاست جوناگڑھ میں اسی وقت سے مسلمان حکمران (راجہ.....) آرہا تھا۔یہ مسلم اکثریت کی تھی اس کے نواب گھانچی کراچی آ گئے اور ریاست کا الحاق پاکستان سے کر دیا جبکہ اسی ریاست جوناگڑھ کے وزیراعظم جناب سر شاہ نواز بھٹو تھے (جو ذوالفقار علی بھٹو کے والد محترم اور بے نظیر کے دادا تھے) جو دہلی پہنچ گئے اور ریاست کا الحاق بھارت سے کر دیا اور خود پاکستان آ گئے۔اس طرح وہ ریاست پاکستان کو نہ مل سکی ہندو نے قبضہ کر لیا۔

☆ حیدرآباد دکن مسلم اکثریت کا علاقہ اور متمول ریاست تھی۔اس نے پاکستان سے الحاق کیا مگر اس کا محل وقوع عین بھارت کے وسط میں تھا۔بھارت نے لیت ولعل سے کام لیا پاکستان کے لئے مشکلات پیدا کیں مذاکرات سے اسے آزاد ریاست یا مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان کی طرح وسطی پاکستان کا نام دیا جا سکتا تھا مگر 11 ستمبر 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کی خبر نشر ہونے کے بعد مسلمان غم زدہ تھے اور ہندو نے اسی رات پولیس ایکشن کے ذریعے حیدرآباد ریاست پر قبضہ کر لیا۔اس ریاست کے بنک اکاؤنٹ میں انگلینڈ میں ایک خطیر رقم تھی جو انہوں نے پاکستان کو دی تھی وہ بھی ہندو لبرل طبقے نے ہضم کر لی۔

☆ اسی طرح اسٹیٹ بنک آف انڈیا میں پاکستان کا حصہ، انڈین رائل ایئر فورس میں پاکستان کا حصہ، ملٹری کے اثاثہ جات میں پاکستان کا حصہ ـــــ کچھ بھی پاکستان کو نہ مل سکا (یہی بھارت آج پاکستان سے دوستی کا خواہاں ہے افسوس کہ ہمارے سیاست دان تاریخ سے ناواقف

ہیں اور امریکہ، برطانیہ، بھارت سب صہیونیت کے آلہ کار ہیں اور آج بھی پاکستان کو روز اوّل کی طرح نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔

پاکستان ایک نوزائیدہ اسلامی ریاست

پاکستان ایک نئی ریاست تھی اور برطانوی ہند کے مسلمانوں کے 200 سال بعد حکومت کرنے کا موقع مل رہا ہے اس دور میں زمانے کے حالات اور حکومت کے انداز بالکل بدل چکے تھے۔ اسی لئے مسلمانوں کو اس نئے ملک کو مستحکم کرنے میں وقت لگا۔ اس پر مستزاد یہ کہ برطانوی بدعہد حکمرانوں اور بھارت کی منافق قیادت نے پاکستان کے حصے کی چیزیں بھی اس لئے نہ دیں کہ اسی طرح پاکستان ختم ہو کر بھارت کی گود میں آ کر گرے گا۔ مگر قدرت کو منظور تھا کہ پاکستان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو ـــــ الحمدللہ ایک نئی نوزائیدہ بچے کی طرح کی بے یارومددگار ریاست وسائل سے محرومی سے سفر کر کے زندہ ہے قائم ہے اور 1998ء سے بھارت کے مقابلے میں کہیں بہترین ٹیکنالوجی کی حامل ایٹمی صلاحیت سے مالا مال ہے۔ ثم الحمدللہ۔

بھارت اور پاکستان 1947ء_2014ء تک

بھارت پاکستان تعلقات کے یہ سات عشرہ تعلقات کے اعتبار سے بھارت کی زیادتیوں کی داستان ہے۔

☆ دسمبر 1948ء میں کشمیر پر فوج کشی بھارت نے کی پھر قریب تھا کہ پاکستان کے مسلمان پورا کشمیر فتح کر لیں ـــــ بھارت خود اقوامِ متحدہ (UNO) میں گیا استصواب رائے (رائے شماری) کی قرارداد بھی منظور ہوئی مگر برطانوی ہندو صہیونی گٹھ جوڑ کا اس سے زیادہ کیا بین ثبوت ہوگا کہ وہ رائے شماری آج تک نہیں ہو سکی۔

☆ 1962-63ء کراچی کے مشرق میں بھارت نے رن کچھ کے علاقے میں جنگ چھیڑ دی اور اچھی بھلی طے شدہ سرحد کا تنازعہ کھڑا کر دیا جس کا پاکستان کی طرف سے منہ توڑ جواب بھارت کو مل گیا۔

☆ ستمبر 1965ء میں بھارت نے بلا اشتعال بین الاقوامی سرحد عبور کر کے لاہور پر حملہ

کر دیا (اور یہ حملہ امریکہ، برطانیہ اور اقوامِ متحدہ کی اشیر باد اور در پردہ حمایت کے بغیر نہیں ہوسکتا تھا۔ نہ ہی ان ممالک اور اقوامِ متحدہ نے اس کی مذمت کی اور نہ ہی کوئی تادیبی کارروائی)۔ اللہ نے پاکستان کو بچالیا۔ بی بی سی نے سقوطِ لاہور کی خبر بھی نشر کر دی تھی۔ (یاد رہے کہ بی بی سی کوئی آزاد میڈیا نہیں ہے بلکہ یہ برطانوی وزارتِ دفاع کا حصہ ہے اور اس کا تمام بجٹ اس وزارت سے آتا ہے اور یہ برطانوی اور عالمی صہیونی مفادات کے لئے رائے عامہ کو ہموار کرنے اور مسلمان ممالک بالخصوص پاکستان میں حالات کو خراب کرنے کا ذمہ دار ہے اور گزشتہ ایک صدی سے یہی ناپاک خدمت دے رہا ہے۔ اگرچہ ظاہر بھی کیا جاتا ہے کہ یہ آزاد میڈیا ہے وائس آف امریکہ کی طرح جو کہ CIA کا ذیلی ادارہ ہے) اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو بچالیا۔

☆ 1971ء میں بقول اندرا گاندھی بھارت کی سرپرستی میں شروع کی گئی تحریک کے زیر اثر مشرقی پاکستان (جواب بنگلہ دیش کے نام سے آزاد ملک ہے) میں علیحدگی کی تحریک پروان چڑھی (یاد رہے کہ ہندو نے اس منصوبہ کے تحت 1947ء میں تبادلہ آبادی کے نتیجے میں مشرقی پاکستان سے ہندو آبادی کو بھارت جانے سے روکا اور اس ہندو آبادی کو استعمال کر کے 1971ء میں مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش میں تبدیل کرا دیا۔ سقوط ڈھاکہ کے تین کردار تھے بھارت میں اندرا گاندھی بنگلہ دیش کے شیخ مجیب الرحمٰن اور پاکستان میں یحییٰ خان اور اس کے بعد جناب ذوالفقار علی بھٹو۔ تینوں حکمرانوں اور ان کے خاندان کا جو حشر بعد میں ہوا وہ سب کے سامنے ہے)

☆ 1980ء کی دہائی میں افغانستان میں روسی اثرات بڑھے تو بھارت کو روس سے دوستی کر کے افغانستان میں داخلے کی جلدی تھی (اسی افغانستان نے 1971ء میں سومنات کے مندر کا وہ قدیمی دروازہ محمود غزنوی کے مزار سے اکھاڑ کر بھارت کو واپس کر دیا تھا جو دوبارہ سومنات کے مندر میں لگا دیا گیا) جبکہ بھارت کے لیے افغانستان پہنچنے کا آج تک کوئی زمینی راستہ نہیں ہے لہٰذا اس وجہ سے اور خراسان پر صہیونی موجودگی کی اضافی غرض کی وجہ سے بھارت نے شمالی کشمیر میں پاکستانی علاقہ سیاچن کے برفانی علاقے میں خفیہ منصوبہ کر کے فوج اُتاری اور قبضہ کر لیا۔ پاکستان نے ہنگامی حالات میں اس کا دفاع کیا اور آج تک بھارت اور پاکستان کی فوجیں سیاچن میں موجود ہیں۔ بھارت کو کوئی کامیابی نہیں ہوئی کہ پاکستان کا شمالی حصہ کاٹ کر وہ افغانستان

جانے کا زمینی راستہ بنالے۔ 2011ء میں ناگہانی آفت کی وجہ سے گلیشیر سیاچین کے مقام پر گرا جس کے کئی فوجی اور پاکستان کی تنصیبات کو نقصان پہنچا___ مگر اس کا مثبت نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان نے فیصلہ کیا کہ بہت موٹے برفانی گلیشیر کو کاٹ کر فوجیوں کے جسد خاکی نکالے جائیں جس کے لئے اتنی بلندی پر جنریٹر، بلڈوزر، ڈمپر، کرینیں، بسیں اور دیگر ضروری سامان لے جایا گیا جس سے وہ علاقہ پاکستان کے لئے اب ایک چھاؤنی کنٹونمنٹ بن گیا ہے پہلے ہنگامی حالت میں سامان پہنچایا جاتا تھا اب باقاعدہ چھاؤنی بن جانے سے بھارت کی فوجی پوزیشن سے پاکستان کی وہاں پوزیشن کہیں بہتر ہے۔

☆ بھارت نے 1998ء میں ایٹمی دھماکہ کیا تو پاکستان نے اس کے مقابلے میں ایٹمی دھماکہ کر کے عالمی سطح پر اپنی ایٹمی حیثیت منوالی۔ اقتصادی طور پر کمزور ملک، بھارت کے مقابلے میں بہت چھوٹا، سیاسی عدمِ استحکام کا شکار پاکستان کا ایٹمی صلاحیت، پاکستان کے ہر عزم مسلمانوں کے لازوال اسلامی جذبے کا اَن مٹ نشان ہے اور بھارت کے جارحانہ عزائم کی راہ میں ہمالیہ بھی بلند رکاوٹ۔

باب 9

1857ء کی جنگ آزادی

کے ڈیڑھ صدی بعد

.....ہندو،

.....مسلمان، اور

.....برطانیہ

کہاں کھڑے ہیں

جنوبی ایشیا میں گنگا، جمنا اور سندھ کے میدانی علاقے دنیا کے تہذیبی اور تمدنی ارتقاء میں نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ آج سے چار ہزار سال قبل انسان دریاؤں اور چشموں کے پاس ہی آباد تھے اور زندگی کے وسائل نہایت ہی محدود بھی اور کمیاب بھی تھے، تاریخ انسانی میں کئی تہذیبیں اٹھیں، پھلی پھولیں، عظمت کے پھریرے گاڑے اور بالآخر فنا کے گھاٹ اتر گئیں۔ علامہ اقبال نے اسی حقیقت کو یوں بیان کیا تھا۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر اُمم کیا ہے؟
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

فاتحین، شہنشاہوں اور مطلق العنان حکمرانوں کے جبر اور ظلم کے تحت زندگی گزارنے والے معاشروں کو چھوڑ کر تاریخ انسانی پر نگاہ رکھنے والا ہر آدمی جانتا ہے کہ وہ نظریہ یا خیال پھیلتا ہے اور جغرافیائی سرحدوں کی پرواہ کیے بغیر علاقوں اور اقوام کو مسخر کرتا چلا جاتا ہے جو انسانی فلاح اور کامرانی اور عدل و انصاف کا علمبردار ہوتا ہے، وہ قومیں جو ایسی اقدار کو لے کر اٹھتی ہیں وہ چھا جاتی ہیں اور دوسری قومیں اور تہذیبیں جو ان اخلاق عالیہ سے عاری ہوتی ہیں یا بے عملی کا شکار ہوتی ہیں وہ محکوم ہو جاتی ہیں اور غلام بنالی جاتی ہیں۔

جنوبی ایشیا میں اسلام آیا اور چھا گیا۔ کیا جب غزنوی اور غوری نے حملے کیے اور سلطنتیں قائم کیں تو مقامی لوگوں کے کسی نے ہاتھ باندھ دیے تھے؟ یقیناً نہیں! بلکہ ان کی محکومی میں، ان کے نظریات کی کمزوری اور اجتماعی سوچ کی کمی کے ساتھ ساتھ مقامی حکمرانوں کے ظلم اور ناانصافی کا بڑا عمل دخل تھا۔ یہ ایسے عالمگیر اصول ہیں کہ خود مسلمان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ جب تک مسلمانوں میں یہ اعلیٰ اصول رہے اللہ تعالی نے حکومت، عزت اور وقار دیے رکھا اور جب یہ اعلیٰ اصول نہ رہے تو سابقہ محکوم قوموں نے ہی اٹھ کر حاکموں کو زیر کرلیا۔ تاریخ انسانی ایسی حیران کن

مثالوں سے بھری پڑی ہے تاہم اس سے شاذ و نادر ہی کوئی سبق حاصل کرتا ہے۔

جنوبی ایشیا میں مسلمانوں نے کئی صدیاں اقلیّت میں ہونے کے باوجود حکمرانی میں گزاریں ہیں اور مجموعی طور پر اعلیٰ اقدار، رواداری، عدل و انصاف اور انسانی احترام کو فروغ دیا ہے۔ اٹھارویں صدی کے آغاز پر اورنگ زیب عالمگیر کی وفات پر تو گویا مسلمانوں کی عظمت کا مینار یکا یک زمین بوس ہو گیا اور تیزی سے زوال کے آثار نمودار ہونا شروع ہوئے، جگہ جگہ خانہ جنگی اور باہمی چپقلش کے مناظر سامنے آئے اور محکوم قوموں نے بھی انگڑائی لی اور بجا طور پر موقع سے فائدہ اٹھایا اور سپین کی طرح مسلمانوں ہی سے عدل و انصاف اور مساوات کے اعلیٰ اصول سیکھ کر مسلمانوں کے زوال پر ان اصولوں کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ مسلمان امت عروج سے زوال کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھی اور ہندو زوال سے عروج کی طرف قدم بڑھا رہا تھا اور مسلمانوں سے ایک طرح کا انتقام لینا چاہتا تھا کہ مسلمانوں کی اجتماعی اور عالمگیر قوت ارادی نے احمد شاہ ابدالی کے ذریعے ہندو مرہٹہ قوت کو پاش پاش کر دیا۔ لیکن مسلمانوں میں اجتماعی قوت اور ضمیر اتنا منظّم اور بیدار نہیں تھا کہ وہ ہندوستان پر قابض رہ سکتا۔

اسی دوران یورپ میں یہی عمل چار صدیوں کے فرق سے منطقی انتہا تک پہنچ چکا تھا اور مسلمانوں کو مغلوب کر لیا گیا تھا اور عیسائی دنیا یورپ میں مسلمانوں پر غلبہ حاصل کر کے انہیں سے حاصل علم و آگہی اور سائنسی اکتشافات کے سہارے یورپی صلیبی استعمار سارے عالم پر قبضہ کے خواب دیکھ رہا تھا کہ برطانوی سامراج کو بنگال میں پاؤں جمانے کا موقع مل گیا۔ برطانوی سامراج کا تصادم زیادہ تر مسلمانوں سے رہا شاید یہ وجہ تھی کہ پہلے مسلمان ہی حکمران تھے۔ ہندوؤں نے اکثر و بیشتر مسلمانوں کے خلاف برطانوی سامراج ہی کا ساتھ دیا ہندوؤں کے لئے انگریزوں کی غلامی کوئی نئی اور انوکھی چیز نہ تھی بلکہ نئے حکمرانوں اور CHANGE OF MASTERS کا معاملہ تھا۔ چنانچہ جنگ پلاسی (1753ء) اور جنگ میسور سلطان ٹیپو کی شہادت (1799ء) سے لے کر 1857ء کی جنگ آزادی تک غالب اکثریت میں مسلمان ہی اٹھتے مقابلہ کرتے مرتے اور پھانسیوں پر لٹکائے جاتے نظر آتے ہیں اور غاصب برطانوی سامراج کے خلاف ہندوؤں کو کالے پانی بھیجے جانے یا تختہ دار پر لٹکائے جانے کی

سعادت بہت کم نصیب ہوسکی۔ جو ہندو کی اٹوٹ اور روایتی نفسیات کا مظہر ہے۔

بطور جملہ معترضہ یہ بات بھی سامنے آجائے تو مضائقہ نہیں کہ وہی ظلم و جبر اور دار و رسن کی داستان جو برطانوی سامراج نے 1857ء کے بعد صرف جنوبی ایشیا کے مرکز دہلی کے آس پاس رقم کی تھی وہی داستان آج امریکہ اپنے اتحادیوں کے ساتھ عالمی سطح پر عراق، دارفور، افغانستان اور تیموریہ میں رقم کر رہا ہے، تختۂ ستم اس وقت بھی مسلمان تھے اور آج بھی مسلمان ہی ہیں مسلمانوں کا قصور ہی ایسا ہے کہ ناقابل معافی ہے۔ دوسری اقوام عالم بالخصوص ہندو اس وقت بھی مفادات کا پجاری تھا اور آج بھی بدرجہ اتم مفادات کا غلام ہے۔

1857ء کے مسلم کُش دور کے بعد جب حالات ذرا پرسکون ہوئے اور برطانوی سامراج نے قدم جما لیے تو مسلمانوں کے لئے ایک اور کڑی آزمائش کا وقت آ گیا۔ مسلمان امت جنوبی ایشیا میں دو مختلف دھاروں میں بٹ گئی۔ دیوبند اور علی گڑھ زمینی طور پر زیادہ دور نہیں (صرف ساٹھ کلومیٹر ہیں) تاہم وہاں سے دو علمی تحریکوں نے جنم لیا اور یوں ہر آنے والے دن نے مسلمانوں کے درمیان ظاہری تقسیم کے اثرات بہت گہرے کر دیے اور مسلمان قوت اور ذہن منقسم ہو کر رہ گیا جبکہ ہندو منظّم ہونے کے ساتھ دیگر غیر مسلم اقوام کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے مقابلے پر اتر آیا۔

1867ء سے 1947ء تک کی جدوجہد میں مسلمانوں کے یہ دو دھارے بڑے نمایاں رہے اگرچہ مسلمانوں کے ایک (اہم اور قیادت کے حامل) دینی طبقہ نے کانگریس کا ساتھ دیا تاہم عوام الناس نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ آخری سالوں میں علماء کا ایک طبقہ بھی مسلم لیگ کے ساتھ آملا تاہم مجموعی طور پر مسلمان قوت منقسم رہی اور اس کا فائدہ خواہی نخواہی ہندو نے ہی اٹھایا۔ اس جدوجہد کے نتیجے میں 1947ء میں برطانیہ بوریا بستر گول کر کے ہندوستان سے چلا گیا اور جنوبی ایشیا میں بھارت اور پاکستان کے نام سے دو سلطنتیں یا ریاستیں وجود میں آ گئیں۔

مسلمانوں نے 1857ء سے 1947ء تک کا سفر ایک نئے تجربے اور غلامی کے ساتھ طے کیا۔ مزید برآں انگریز کی طرف سے ظلم و ستم کا نشانہ بھی بنے رہے جبکہ ہندو پہلے سے ہی بیدار اور آمادہ عمل تھا۔ وہ تنظیمی، تعلیمی اور معاشی بیداری میں مسلمانوں سے آگے تھا اسی کا نتیجہ ہے کہ 1947ء کی آزادی کے بعد مسلمانوں اور ہندوؤں کی اگرچہ دو ریاستیں تو معرض وجود میں آ گئیں

تھیں تاہم ان ریاستوں کے معاملات اوراس کے استحکام کے لئے قوم کی تیاری کے اعتبار سے دونوں ملکوں کی لیڈرشپ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

پاکستان بننے کے بعد تبادلہ آبادی کا معاملہ آیا اور بلالحاظ مسلم لیگ اور کانگریس وہ مسلمان بھی ہجرت کر کے پاکستان آئے جنہوں نے بظاہر کانگریس کا ساتھ دیا تھا لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے دونوں طبقات کے لوگ موجودہ ملک پاکستان میں جمع ہو گئے تھے۔

تاریخ عالم گواہ ہے کہ کوئی گروہ، قوم یا اجتماعیت اٹھتی ہے اور محنت کرتی ہے تو اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوتا ہے اور یہی اس کی خواہش اور مطمع نظر ہوتا ہے کہ اس کی کسی خاص علاقے میں حکومت قائم ہو جہاں وہ اپنے مخصوص نظریات کے مطابق زندگی گزارنے کے قابل ہو سکے اور دنیا کو اپنے نظریات کے ثمرات سے آگاہ کر سکے۔

مذکورہ تین صدیوں کے دوران اس کی مثال سکھ مت کی ہے سکھ مت ہندو ذہن کی پیداوار ہے اور مسلمانوں اور اسلام کے غلبہ کے خلاف پہلا ردّعمل یہی سکھ مذہب تھا اور دیگر غیر ہندو نظریات کی طرح ہندوؤں نے اسلام کے مقابلے میں بھی ایک ہندو مسلم نظریات کا ایک ہندو ایڈیشن نکالا تا کہ ہند کے عوام کو مسلمان ہونے سے روکا جا سکے اور اسی کو پروان چڑھا کر مسلمانوں ہی کے مدمقابل کر دیا۔ جس نے محنت کر کے پنجاب کے ایک بڑے حصے بشمول سرحدی علاقہ جات میں حکومت قائم کی اور اپنی مرضی کے مطابق ملک چلایا۔ مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا، مساجد کی کیا بے حرمتی کی یہ الگ داستاں ہے۔ شاہی مسجد سکھ دور 1789ء تا 1846ء میں گھوڑوں کا اصطبل تھا، اس پورے دور حکومت میں نماز کی پابندی، اذان کی پابندی (سوائے ایک چھوٹی سی مسجد کے) قرآن لے کر چلنے پر پابندی تھی اور مسلمانوں کے دیگر مذہبی رسومات پر بھی پابندی کا قانون تھا۔

اسی طرح کی ایک مسلمانوں کا وہ حصہ جو جنگ آزاد کے وارثان یعنی تحریک دیوبند کے زیر اثر آیا اور یوں انہیں ORTHODOX MUSLIM (قدامت پرست) مسلمان کہیں یا راسخ العقیدہ مسلمان بہرحال انہوں نے خلوص اور کوشش کے نتیجے میں شمالی مغربی علاقوں میں اپنا اثر ورسوخ دکھایا اور افغانستان میں طالبان کے نام سے حکومت قائم کر دی اس حکومت کے جلد

منظر سے ہٹ جانے کا سبب اور کمزوریاں بالکل الگ موضوع ہے۔

جبکہ مسلمانوں کے دوسرے حصے کا سفر سرسید احمد خان مرحوم کے علی گڑھ سے شروع ہوا اور جدید تعلیمی نظریات کے زیر اثر سکولوں کالجوں سے ہوتا ہوا مغربی افکار ونظریات کے زیر اثر چلا گیا۔ اسلام اور اسلامی تعلیمات سے اس طبقہ کا تعلق صرف بچپن میں ہی قرآن پاک ناظرہ پڑھ لینا یا نماز اور تلاوت کی کسی حد تک پابندی رہ گیا۔ یہ اثر بھی ایک صدی پہلے زیادہ تھا اب اوسطاً کم ہوتا جا رہا ہے۔

اس طبقہ میں سب سے بڑی شخصیت علامہ اقبال کی تھی جنہوں نے اس طبقہ کو مغربی گمراہ کن افکار ونظریات میں بہ جانے کی بجائے قرآن مجید اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیا اور شاعری میں پیغام دیا، مسلمانوں کی زبوں حالی پر مرثیے کہے اور مسلمانوں کو جگایا تا آنکہ مسلمانانِ ہند مسلم لیگ کے پرچم تلے قائداعظم محمد علی جناح کی زیر قیادت پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے مگر اس تحریک کی کم عمری اور اغیار کی سازشوں کی وجہ سے یہ مملکت خداداد پاکستان کو ایک مثالی جمہوری اسلامی فلاحی مملکت میں نہیں ڈھال سکے جس کا خواب علامہ اقبال نے دیکھا تھا۔ ابھی یہ سفر جاری ہے اللہ تعالیٰ اس ملک پاکستان کی حفاظت فرمائے اور اسے اُس منزل سے ہمکنار کردے جس کے لئے یہ حاصل کیا گیا تھا۔ امین

مسلمانان پاکستان کی اسی کوتاہی کا ثمر ہے کہ پاکستان کے بارے میں عالمی سطح کے تجزیوں میں کبھی کہا جاتا ہے کہ پاکستان ہنوز اپنے تشخص کی تلاش میں ہے (IN SEARCH OF IDENTITY) گویا یہ بات بھی نگاہوں سے اوجھل ہے کہ پاکستان کیوں بنایا تھا۔ یا کبھی کہا جاتا ہے کہ پاکستان ایک ناکام ریاست ہے (FAILED STATE) یا پاکستان کا وجود خطرے میں ہے حصے بخرے ہو جائیں گے۔ خاکم بدہن یہ حقیقت ہے کہ آدھا پاکستان 71ء میں ہم سے الگ ہو چکا۔

تاہم مسلمانوں کی بظاہر اس جدوجہد کی عمر ابھی ایک صدی ہے لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ اگر ہمارے اندر خلوص تھا اور خلوص ہے تو ان شاء اللہ اگلے 50-40 سال میں (گویا پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے سو سال بعد) یہاں ایک اسلامی جمہوری فلاحی ریاست کا آغاز ہوگا جو

ٹھوس اور مثبت بنیادوں پر قائم ہوگی اور پھر ہر دوسرے نافع نظریہ کی طرح نوع انسانی کے دل کی آواز بن کر عالمی ریاست کا روپ دھار لے گی یہ بات مستقبل کا مورخ ہی طے کرے گا۔

ذرا زیادہ گہرائی میں جائیں! مسلمانان ہندو پاک کی احیائی وتجدیدی مساعی کی تاریخ ایک لحاظ سے گزشتہ چار صدیوں پر محیط ہے اور حضرت شیخ احمد سرہندیؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، اورنگ زیب عالمگیرؒ اور شاہ ولی اللہؒ تحریک شہیدین اور شہدائے جنگ آزادی کے علاوہ حضرت شیخ محمود حسنؒ اور علامہ اقبال دیگر رہنماؤں کے اسمائے گرامی لیے جاسکتے ہیں۔ اس جدوجہد میں اسلام کو سمجھنے اور اس کو عصر حاضر میں پیش کرنے کے اعتبار سے دو دھارے علیحدہ علیحدہ کام کرتے نظر آتے ہیں۔

ایک دھارا روایتی علماء، دور بنوامیہ اور دور بنوعباس کے دور کے نظریات اور فقہ اسلامی کی من وعن تقلید اور علم ھندسہ اور علم ہیئت کے سابقہ اصولوں اور نظریات کے مطابق قرآن و حدیث کی تشریحات اور فلسفہ معاشرت وتمدن کا حامل نظر آتا ہے۔ ان کے نزدیک نفاذِ اسلام کا مطلب حدود اللہ کا قیام اور نظام صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا قیام ہی اسلام کے غلبہ اور اظہار دین کے مترادف ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری، تحریک شہیدین، تحریک آزادی ہند میں جمعیت علماء ہند کا نقطۂ نظر اور عصر حاضر میں طالبان کی حکومت کا قیام اسی سوچ کا مظہر ہے اور گویا اس سوچ کے حاملین کے خلوص واخلاص کا ثمر ہے کہ وہ ایک عارضی ریاست کے قیام پر منتج ہوا ہے۔ اسی سوچ کے حامل قدیم علماء کی مساعی کا ایک دوسرا مظہر عالم عرب میں شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی حکومت میں شرکت کے اصول کے تحت کامیابی ہے جس میں اسلام کی کچھ حدود کا نفاذ ہے اور شرک وبدعت کا خاتمہ ہے۔

ان چار صدیوں کی جدوجہد کا دوسرا دھارا اس جدوجہد کے ساتھ ساتھ مرج البحرین کی سی شان سے چلتا آرہا ہے اور اوپر درج شدہ عظیم مجددین ملت کی انتھک مساعی میں ہی اسلام کی روح اور قرون اولیٰ (پہلی صدی ہجری تک، جس کی فضیلت خود لسان رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیان ہوئی ہے) کی شان دار روایت خالص عربی ثقافت اور شان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مظہر رہی ہے۔ گویا قیام پاکستان کی جدوجہد کی تاریخ بھی چار صدیوں پر محیط ہے اور جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے اسی

دوسرے دھارے کی جدوجہد میں بھی اکابرین ملت اور مجدّدین اُمّت کی کاوشوں کو فیصلہ کن عامل کہا جاسکتا ہے۔

چنانچہ پاکستان کی جدوجہد میں مجدد الف ثانیؒ کی تجدیدی شان۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا اطاعت واتباعِ رسول کے جذبے کا احیاء۔

اورنگ زیب عالمگیر کی اسلامی قانون کی تدوین وتنفیذ اور حضرت عمرؓ کی سادگی اور زورحیدری کا رنگ۔

شاہ ولی اللہؒ کی وسعت نگاہ اور عمرانی اور سیاسی مسائل پر توجہ۔

فتح علی سلطان ٹیپو کی استقامت۔

سرسیّداحمد خان کی ملت اسلامیہ کے لئے بے قراری۔

شیخ محمود الحسن کی علی گڑھ تشریف آوری سے اس دھارے میں اسلامی رنگ کا ظہور۔

تحریک خلافت کی امانت۔

علامہ اقبال کا مغربی سائنسی ترقی کو ایمان کی تفسیر اور قرآن کے عین مطابق قرار دینا، ملی اور دینی جذبات کی آبیاری اور اسلام کے عالمی غلبے کی نوید۔

جوہر برادران کا ملّی جذبہ۔

قائداعظم کی ژرف نگاہی اور دوقومی نظریہ کی بے لوث وکالت۔

مولانا شبیر احمد عثمانی اور ظفر احمد عثمانی کا خلوص واخلاص اور اکابرین وقائدین ملت، صوفیائے عظام پاک وہند کی شب کی آہوں اور سحری کے آنسوؤں اور ملت اسلامیہ کے گمنام مرد و خواتین شہداء کے خون کی لالی شامل ہے جس کے نتیجہ میں پاکستان کی مملکت خداداد معرض وجود میں آئی اور یقیناً ع روح شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی

کی طرح آج پاکستان اپنی 'روح' اور شناخت، نظام عدل وقسط، اسلامی سیاسی سماجی معاشی عدل کے اصولوں پر ہر قسم کے استحصال سے پاک معاشرے کی تدوین اور تعمیر کے لئے شکست وریخت کے عمل سے گزر رہا ہے اور چونکہ اس میں مسلمانوں کے دوسرے دھارے کے تصور اسلام سے چونکہ فکری بُعد اور کہیں تعبیراتی اختلافات کا مسئلہ درپیش ہے اس لئے نئی تعمیر کیلئے پرانے تصورات

کی ویرانی اور صفائی اس میں کہیں کہیں روایتی علماء اور فکری وارثان تحریک پاکستان میں ٹکراؤ کی شکل پیدا ہو جاتی ہے جو ان شاء اللہ عارضی اور مبنی بر غلط ہونے فہمی کی وجہ سے جلد رفع ہو جائے گی۔

اسی جدوجہد کا منطقی نتیجہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت للعالمینی کا ظہور اور انسانیت کے لئے کامل مساوات، معاشی عدل اور سیاسی جبر سے پاک معاشرے کا قیام اور غیر مسلموں کے مکمل تحفظ کی گارنٹی یعنی جدید عالمی اسلامی جمہوری مثالی فلاحی ریاست کا قیام ناگزیر ہے جو دنیا کے تمام ذہین عناصر اور فہیم طبقات کو مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچ لے گی اور وہ دن مسلمانوں کی نہیں اولاد آدم اور انسانیت کی فتح کا دن ہوگا۔

جنوبی ایشیا میں گزشتہ تین صدیوں میں برطانوی سامراج کی آمد اور اس سے آزادی کا دوسرا فریق ہندو تھا جو شہنشاہ اکبر (مرتد) کے دور سے بھی دو صدیاں پہلے بیدار ہو چکا تھا اور کئی نشیب و فراز گزار کر 1947ء تک پورے طور پر ایک منظّم قوم کی حیثیت اختیار کر گیا تا آنکہ آزادی کے وقت ہندو ملک سنبھالنے کے پوری طرح اہل تھے۔

آیئے دیکھتے ہیں دیگر اقوام کی طرح جب ہندو کو اقتدار ملا اور آزادی کے ساتھ اکثریت بھی اور بیداری بھی تو اس نے اپنے ملک کو اپنے نظریات کے مطابق ایک ریاست بنانے کا مقصد کیسے اور کہاں تک حاصل کیا۔

مثالی ہندو جمہوری فلاحی ریاست

مثالی ہندو جمہوری فلاحی ریاست پر کچھ شواہد سامنے لانے سے پہلے ایک بنیادی بات پیش نظر رکھنا ضروری ہے ورنہ اکثر شدید خلط مبحث واقع ہو جاتا ہے اور گوہر مقصود ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ وہ اہم بات یہ ہے کہ ہندومت یا دیگر مذاہب عالم (ماسوائے اسلام) کے پاس مذہبی تعلیمات کا جو بھی کچھ مواد تحریری زبانی یا روایات کی شکل میں موجود ہے اس کے مطابق انسانی زندگی کے انفرادی گوشوں کو کسی حد تک رہنمائی ملتی ہے اور کم از کم اس حد تک دوسرے مذاہب سے تقابل اور EVALUATION کے لئے پیش بھی کیا جا سکتا ہے۔ تاہم ان مذاہب میں انسانی معاشرہ کے اجتماعی گوشوں از قسم معاشرتی یا سماجی، اقتصادی یا معاشی اور سیاسی یا ریاستی پہلوؤں پر

بہت کم رہنمائی میسرّ ہے۔ یہ صورتحال ان مذاہب کے اکابرین کو بھی معلوم ہے لہٰذا (اسلام کے سوا) تمام مذاہب نے اس معاملے میں ایک متفقہ لائحہ عمل (UNDERSTANDING) یہ طے کرلیا ہے کہ اجتماعی گوشوں میں اپنی مذہب کی رہنمائی کے فقدان کو اسی بات سے پورا کرلیا جائے کہ یہ گوشے SECULAR بنیادوں پر چلائے جائیں اور ان میں مذہب اور آسمانی ہدایت یا وحی یعنی REVEALED KNOWLEDGE کے عمل دخل کو آہستہ آہستہ مفقود کردیا جائے تاکہ انسانی مزاج ہی SECUALR اور 'لادین' قسم کا بن جائے جس میں دین کا عنصر نہ ہونے کے ساتھ دین بیزاری اور دین سے فرار کا پہلو غالب رہے۔ اس معاملے میں غیر مسلم دنیا تقریباً متفق ہے اور اس پر CONSENSUS رکھتی ہے کہ مذہب یا RELIGION کو ایک انفرادی فعل اور خدا اور بندے کا PRIVATE AFFAIR بنادیا جائے اور اس طرح کی ریاست کو عالمی سطح پر آشیر باد بھی حاصل ہو اور باہمی تعاون بھی، اس لئے کہ اس طرح کی ریاست اپنے تمام تر مذہبی رنگ (RELIGIUS TOUCH) کے باوجود اپنے انداز حکمرانی میں ایک جیسی ہوں گی اس قسم کی حکومت کو SECULAR کا نام دیا گیا ہے۔ اور یوں شعوری یا غیر شعوری طور پر اور بالارادہ اسلام کے عالمی اجتماعی نظام عدل قسط کے خلاف ایک WELL-PLANNED راستہ بنایا گیا ہے تاکہ اسلام اور دوسرے الفاظ میں اسلام کے عدل اجتماعی کا راستہ روکا جاسکے اور حکمرانوں کی لوٹ کھسوٹ کے ساتھ وسائل اور حکومتوں پر ناجائز قبضہ قائم ودائم رہے۔

اس پس منظر میں ہندو نقطہ نظر سے عہد اکبری سے آج تک جو اجتماعی کامیابیاں حاصل کی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

انفرادی اور مذہبی گوشے میں عقائد (DOGMAS) وعبادات (MODES OF WORSHIP) اور مذہبی رسومات (RITUALS) سے دیکھیں تو ہندو نقطہ نظر آج کل کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے بلکہ انٹرنیٹ پر میسر ہونے کی وجہ سے ہر شخص کی دسترس میں ہے اس پر کوئی علمی تنقید یا بحث اس مضمون کا موضوع نہیں ہے تاہم چند اہم تاثرات جو اخبارات کی زینت بنتے

رہتے ہیں وہ ضرور پیش خدمت ہیں۔

☆ بیوہ عورتوں کے ستی ہونے (شوہر کے ساتھ اپنے آپ کو زندہ جلا لینے) کی رسم۔

☆ غیر ہندو اقلیتوں پر حملے اور اس کے مذہبی معاملات میں مداخلت۔

(i) عیسائیوں کے ساتھ غیر انسانی رویہ اور ان کا قتل۔

(ii) مسلمانوں کے ساتھ فسادات کا معاملہ اور مسلمانوں کی نسل کُشی کے منصوبے، عبادت گاہوں بالخصوص بابری مسجد وغیرہ کی بے حرمتی۔ بمبئی اور احمد آباد کے فسادات وغیرہ مسلمانوں کی مسجد حیدر آباد پر حملہ۔

☆ مسلمانوں کے لئے مذہبی جبر، ملازمتوں کا روبار فوج عدلیہ میں 20% آبادی ہونے کے باوجود مسلمانوں کی نہ ہونے کے برابر نمائندگی، سکولوں میں مسلمانوں کو زبردستی ہندو تہوار اور رسوم ادا کرنے پر مجبور کرنا، ہندو انتہا پسند تنظیموں کا نعرہ مسلمانوں کے دو استھان پاکستان یا قبرستان وغیرہ وغیرہ۔

اجتماعی معاملات میں بھارت کے 60 سال کی جدوجہد کے تناظر میں حصول مقصد کی طرف جو اقدامات ہوئے اس کا ایک خلاصہ پیش خدمت ہے جس سے اہل علم و دانشور حضرات آئندہ چند دہائیوں کا نقشہ خود نگاہوں کے سامنے لا سکتے ہیں۔

کامیابیاں

☆ 1947ء کے بعد آئین کی تیاری اور منظوری۔

☆ جاگیرداری کا کسی حد تک خاتمہ۔

☆ سیکولر سٹیٹ کا اعلان اور اقلیتوں کو حقوق دینے کا وعدہ۔

☆ جمہوریت کا قیام اور تسلسل۔

☆ حکومتی اداروں کا قیام اور ان کا باہمی اشتراک کے ساتھ کام کرنا۔

☆ جمہوری اقدار کی پرداخت و نگہداشت اور سیاسی استحکام۔

☆ معاشی ترقی اور I.T شعبے میں مغرب کا مقابلہ۔

ناکامیاں

☆ قیام ملک کے ساتھ ہی پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے والی ریاست حیدرآباد پر قبضہ اور استحصال۔

☆ پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے والی ریاست جونا گڑھ پر ناجائز قبضہ اور استحصال۔

☆ UNO میں وعدے کے باوجود کشمیریوں کو حق خود ارادیت نہ دینا۔

☆ اقلیتوں کے ناک میں دم کر دینا خصوصاً مسلمانوں پر ظلم وستم اور مختلف حیلوں بہانوں سے ان کے کاروبار تباہ کرتے رہنا۔

☆ ہندو انتہا پسند تنظیموں کا فروغ اور مسلمانوں پر حملے۔

☆ مسلمانوں کے حقوق، کاروبار، شہری آزادیوں کا بری طرح تعطل۔

☆ سرکاری ملازمتوں اور کارپوریشنوں میں مسلمانوں کی ملازمتیں نہ دینے کا معاملہ۔

☆ پڑوسیوں بالخصوص پاکستان کے ساتھ جارحانہ رویہ اور پاکستان کو دل سے تسلیم نہ کرنا۔

☆ مشرقی پاکستان کو عالمی مشن کے ذریعے بنگلہ دیش بنانے میں بنیادی کردار ادا کرنا۔

☆ معاشی بدحالی اور کسانوں کی خودکشیوں کی طویل فہرست۔

☆ عورت کا استحصال۔ ☆ تعلیم کا فقدان۔

☆ مراعات اور سہولتوں کا اعلیٰ طبقات تک محدود ہونا۔ اور ملک میں سرمایہ دارانہ نظام کا فروغ اور غلبہ۔

☆ ذات پات کی تمیز اور مساوات انسانی کا مذاق۔

☆ انسانی حقوق کی دھجیاں بکھیر دینا اور غیر ہندو اقلیتوں کو ہندو بنانے کا منصوبہ۔

☆ ملک کی 40% آبادی کا خط غربت (POVERTY LINE) سے نیچے زندگی بسر کرنا۔

☆ پڑوسیوں کے معاملات میں مداخلت۔ سری لنکا، نیپال، بھوٹان اور پاکستان سب سے کشیدہ حالات اور ان کو مسلسل دباؤ میں رکھنا۔

☆ علاقے میں کسی بڑے دشمن کے سامنے نہ ہونے کے باوجود ایٹمی ہتھیاروں میں پہل کرنا اور اس کے انبار لگا دینا جبکہ عوام بنیادی حقوق تک سے محروم ہوں۔

نتیجتاً یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ:

بھارت بے شمار کامیابیوں کے باوجود ایک جمہوری ریاست سہی ایک فلاحی ریاست کا ابھی نام بھی لینے کی پوزیشن میں نہیں اور غریب عوام کے لئے ملکی وسائل کا کوئی حصہ نہیں بلکہ سارے وسائل صرف اعلیٰ طبقات کی لوٹ کھسوٹ کا میدان ہے۔

بھارت کی طرف سے ممکنہ دفاع میں صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس طویل اجتماعی نشاۃ ثانیہ کے لئے ساٹھ سال کا عرصہ کم ہے اور آئندہ دہائیوں میں یہ کام مکمل ہوجائے گا۔ ـــــ لہٰذا یہ بات نوشتہ دیوار ہے کہ قوموں اور تہذیبوں کا قانونِ عروج وزوال اٹل حقیقت ہے اور اس سے مسلمان، ہندو، یورپی اور امریکی حکومتیں بھی مستثنیٰ نہیں ہیں کہ عصر حاضر میں جو اجتماعیت اپنے عوام کو اجتماعی عدل وانصاف، مساوات اور اظہار رائے کی آزادی اور اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا احساس فراہم نہیں کرسکتی وہ جلد یا بدیر مایوسیوں کے گہرے بادل چھوڑ کر صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔ یہ دنیا MIGHT IS RIGHT کے اصول کے تحت ایک A MINUTE MINORITY کے ہاتھوں میں کھلونا ہے اور وہی اس کے وسائل پر قابض ہیں اور عدل وانصاف اور آزادی مساوات کے دشمن ہیں اس لئے ایسی حکومتوں کو برداشت نہیں کرسکتے جو ان اعلیٰ اقدار کی علمبردار ہوں۔ تاہم کسی حکومت کا ان اعلیٰ اجتماعی اقدار کے قیام کے لئے جدوجہد اور مسلسل محنت کے بعد کامیابی سے ہمکنار ہونا اور اس کا ایک قابل ذکر عرصے تک باقی رہ جانا یہ بالکل دوسری بات ہے اور بالکل جدوجہد ہی نہ کرنا اور اس کا کوئی عندیہ اور ایجنڈا اور نقشہ ہی اہل علم ودانشور حضرات کے سامنے نہ ہونا یہ ناکامی کا ہی دوسرا نام ہے۔

بھارت نے بھی اگر آئندہ تین چار دہائیوں میں اپنے ملک کے باسیوں کو ان اعلیٰ اجتماعی اقدار کے حوالے سے اپنے ہندو غریب محنت کش عوام اور بالخصوص اقلیتوں کے احساس محرومی کا بھرپور ازالہ نہ کیا تو خود ہندوؤں کی آئندہ نسلیں اس بات سے اتفاق کریں گی کہ ہندو مذہب کے پاس انسانی فلاح کا کوئی پروگرام نہیں ہے اور عوام میں تو مایوسی ہی مایوسی کا سایہ رہے گا ELITE طبقہ کسی دوسرے قابل عمل اور انسانی حقوق کے ضامن JUST POLITICO-

SOCIO-ECONOMIC SYSTEM اور عدل و مساوات کے علمبردار مذہب اور دین کی طرف چل کھڑے ہوں گے اور تاریخ برعظیم پاک و ہند ایک نیا موڑ لے رہی ہوگی۔ ہو بہو ایسا ہی موڑ ہندوستان کے باسیوں نے غوری و غزنوی کے دور میں بھی مقامی ہم مذہب راجاؤں کے ظلم و ستم سے نجات کے لئے لیا تھا اور کہیں تاریخ گھوم کر دوبارہ اسی مقام کی طرف نہ آ جائے۔ اس وقت یہ کام عوامی سطح پر ہوا تھا اور اب شاید یہ کام ملک کے تعلیم یافتہ مراعات یافتہ اور ELITE طبقہ یعنی برہمن کے اجتماعی اسلام پر منتج ہو کہ ع انقلابِ دوراں ہم نے یوں بھی دیکھے ہیں

تاہم ـــــــ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دنیا میں انسان کی طرح انسانوں کی اجتماعیت یعنی قوموں، نسلوں، حکومتوں، نظریات اور تہذیبوں کی بھی ایک زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ مواقع ہر قوم کو دیتا ہے عروج ہوتا ہے حکومت بن جاتی ہے کسی خاص خطہ زمین میں اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر انہیں لوگوں کی دوسری تیسری نسل میں ایسے لوگ سامنے آتے ہیں جو ظلم، ناانصافی، لوٹ کھسوٹ، نسلی لسانی اور مذہبی امتیاز روا رکھتے ہیں اور نتیجتاً صفحہ ہستی سے مٹ جاتے ہیں۔ یہ اصول خالق کائنات کا اتنا اٹل اصول ہے کہ اس سے کافر اور غیر مسلم تو کیا کوئی مسلم معاشرہ اور اجتماعیت بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔

اسی دنیا میں قومیں اور تہذیبیں کچھ انسان دوست اصول اور محنت و دیانت کا جذبہ لے کر اٹھتی ہیں اور بے اصول، کمزور، ظالم اور انسانی تحقیر اور امتیازات کے حامل معاشروں کو بہا کر لے جاتی ہیں مگر صدی دو صدی بعد وہ خود ایسے ہی خودغرضانہ طرز عمل کا مظاہر کرتی ہیں اور کسی اور بااصول اور نوخیز اجتماعیت یا تہذیب کے ہاتھوں فنا ہو جاتی ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی بااصول دیانت اور امانت پسند اجتماعیت اپنے قدم جمانے کی فکر کرتی ہے مگر گردوپیش کے ظالم معاشرے اور غالب تہذیبیں ایسی نوزائیدہ خیر و برکت والی اجتماعیت کو اپنے لئے 'موت کا پیغام' سمجھ کر اس کو نیست و نابود کر دیتے ہیں۔

مستقبل کے حالات تو اللہ تعالیٰ اور خالق کائنات ہی بہتر جانتے ہیں یا کسی قدر وہ اہل علم جانتے ہیں جن کی عقابی نگاہیں حالات کو اس اعلیٰ مقام سے دیکھ رہی ہیں۔ تاہم یہ بات علی الاعلان کہی جا سکتی ہے کہ اگر پاکستان اور اہل پاکستان کا وہ طبقہ جو جنگ آزادی کے بعد جدید

تعلیم سے روشناس ہوا اور قدیم و جدید اسلامی رنگ کا حامل ہے اور اس کی جدوجہد علامہ اقبال، ابوالکلام آزاد سے گزر کر مسلم لیگ کے ذریعے سے قیام پاکستان پر منتج ہوئی تھی اگر قیام پاکستان کے مشن کو سینے سے لگا کر اور بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے اسلامی ذہن کو لے کر آگے چلتا ہے اور ایک مثالی اسلامی جمہوری فلاحی ریاست بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے، جس کی طرف صرف ایک اشارہ کافی ہے۔ فرمایا مصورِ پاکستان علامہ اقبال نے

I WOULD LIKE TO SEE THE PUNJAB. THE NORTH-WEST FRONTIER PROVINCE, SINDH AND BALUCHISTAN AMALGAMATED INTO A SINGLE STATE. SELF-GOVERNMENT WITHIN THE BRITISH EMPIRE OR WITHOUT THE BRITISH EMPIRE, THE FORMATION OF A CONSOLIDATED NORTH WEST-INDIAN MUSLIM STATE APPEARS TO ME TO BE THE FINAL DESTINY OF THE MUSLIMS, AT LEAST OF NORTH-WEST INDIA."

''میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کو متحد ہو کر ایک واحد ریاست کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں، جس کی اپنی حکومت ہو خواہ سلطنت برطانیہ کے تحت یا اس سے الگ اور مجھے نظر آ رہا ہے کہ یہ متحدہ شمال مغربی مسلم ریاست کم از کم شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے تقدیر مبرم ہے۔''

"I THEREFORE DEMAND THE FORMATION OF A CONSOLIDATED MUSLIM STATE IN THE BEST INTERESTS OF INDIA AND ISLAM."

''لہٰذا میں ہندوستان اور اسلام کے بہترین مفاد میں ایک الگ مسلم ریاست کے بنانے کا مطالبہ کرتا ہوں۔''

"FOR ISLAM (IT WILL BE) AN OPPORTUNITY TO RID ITSELF OF THE STAMP THAT ARABIAN IMPERIALISM WAS FORCED TO GIVE IT, TO MOBILIZE ITS LAWS, ITS EDUCATION, ITS

CULTURE AND TO BRING THEM INTO CLOSER CONTACT WITH ITS OWN ORIGINAL SPIRIT AND WIGH THE SPIRIT OF THE MODERN TIMES."

''اسلام کے لئے یہ ایک موقع ہوگا کہ عرب ملوکیت کے تحت اس پر جو پردے پڑ گئے تھے ان سے چھٹکارا حاصل کر سکے اور اپنے قوانین، تعلیمات اور ثقافت کو اپنی اصل روح کے ساتھ روحِ عصر سے ہم آہنگ کر سکے۔''

اور فرمایا بانی پاکستان محمد علی جناح نے

GOD HAS GIVEN AN OPPORTUNITY TO BE ARCHITECTS OF A NEW NATION AND LET IT NOT SAID WE DID NOT PROVE EQUAL TO THE TASK.(KARACHI 11 OCTOBER 1947)

مفہوم: ''خالق کائنات نے ہمیں ایک نئے ملک، ایک نئی تہذیب، ایک نئی قوم کی تعمیر کا موقع فراہم کیا ہے اور ہمیں اس کے لئے اپنا فرض ادا کرنا چاہئے کہیں مستقبل کا مؤرخ یہ لکھنے پر مجبور نہ ہو کہ ہم اس کام کے اہل ثابت نہ ہوئے''

اور دنیا کو اعلیٰ حکومتی لیول پر حریت، آزادی مساوات اور کفالت عامّہ کے تصورات کا چلتا پھرتا نمونہ پیش کر دیتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس وقت ساری دنیا اس کی طرف متوجہ نہ ہو جائے۔

اوپر درج کردہ تمام گزارشات میں براہ راست تذکرہ ہندو اور مسلم تہذیبوں اور سوچ کا ہے جبکہ ان تین صدیوں پر پھیلی ہوئی جدوجہد کا ایک تیسرا فریق بھی تھا اور وہ تھا 'یورپی مسیحی استعمار' جس کا نمائندہ برطانیہ تھا اور جو پہلے تجارتی انداز میں ایک تجارتی کمپنی ایسٹ انڈیا کمپنی (E.I.C) کے نام سے آیا اور پھر برطانوی شہنشاہیت کے زیر سایہ ملک کو فتح کر لیا۔

اس ملک برطانیہ اور اس کے عالمی مسیحی استعمار پر گزشتہ تین صدیوں میں کیا گزری وہ بھی دنیا کے اصول عروج وزوال سے مستثنیٰ نہیں ہے اس برطانیہ کا مختصر تذکرہ بھی قارئین کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

☆ اٹھارویں صدی میں برطانیہ (اور دیگر یورپی اقوام) تمام دنیا پر بحری قبضہ کر چکی تھیں

اور بہت سے علاقوں پر در پردہ بری قبضہ کا آغاز بھی ہو گیا تھا۔

☆ یورپی مسیحی استعمار جو صہیونیت کے اشاروں پر چل رہا تھا اس کا یہ عالمی حکومت کا بنانا اور ہماری دنیا پر قبضہ کس طرح ہوا اس کا تذکرہ سیموئیل پی ہنٹنگٹن نے CLASH OF CIVILIZATION نامی کتاب میں کیا ہے جس کا اقتباس پیش خدمت ہے:

''.....1500ء سے 1750ء کے درمیانی عرصے میں پہلی عالمی سلطنت کو قائم کرنے میں مغرب والوں کی کامیابی کا دارومدار ان کی جنگی استعداد میں اضافہ تھا، جس کو فوجی انقلاب کا نام دیا گیا ہے۔ مغرب نے دنیا کو اپنے نظریات یا اقتدار یا مذہب کی وجہ سے فتح نہیں کیا تھا بلکہ اس وجہ سے فتح کیا کہ منظّم تشدد کرنے میں اس کو برتری حاصل تھی۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو مغرب کے لوگ تو بھول جاتے ہیں لیکن غیر مغربی لوگ فراموش نہیں کر سکتے.....''

☆ انیسویں صدی عیسوی میں علمی ترقی، نئی ایجادات اور جنگی صلاحیت کے جلو میں وہ ہندوستان اور عثمانی سلطنت کے ساتھ ساتھ ساری دنیا پر عملاً قابض ہو چکا تھا۔ کہیں فرانسیسی اور ولندیزی تھے بھی تو ان کی سوچ اور تہذیب ایک ہی تھی۔

☆ بیسویں صدی کے آغاز میں برطانیہ کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا تاہم پہلی جنگ عظیم 18-1914 اور دوسری جنگ عظیم 45-1939 کے بعد برطانیہ کی قسمت کا ستارہ ڈوبنا شروع ہوا اور عالمی استعمار کی باگ دوڑ ظاہراً امریکہ اور در پردہ UNO، IMF اور WB کے ہاتھوں میں چلی گئی۔

☆ مسیحی یورپی استعمار چونکہ نادیدہ قوتوں کے زیر اثر رہا ہے لہٰذا برطانیہ کے کمزور ہونے پر ان نادیدہ قوتوں نے اپنا دست شفقت امریکہ پر رکھ دیا اور اب ساٹھ سال بعد شاید یہ دست شفقت یورپی یونین پر رکھا جانے والا ہے۔ تاہم اس مغربی تہذیب کی بھی چھ صدیوں کی داستانِ عروج اب انجام کو پہنچنے والی ہے۔

باب 10

پاک بھارت
موجودہ ہندو مسلم کشاکش
اور
پاکستان کا مستقبل

ہندو مسلم کشاکش کا مستقبل

ہمارے نزدیک بھارت میں ہندومت دو بڑے حصوں میں منقسم ہے

(i) روایتی ہندو ORTHODOX HINDO

(ii) لبرل، جدید اور ہندو امپریلزم (ہندومت کے علاقائی غلبے) کے سہانے خواب دیکھنے والا ہندو۔

اسی طرح ہے اس وقت پاکستان کے مسلمان بھی دو حصوں میں منقسم ہیں اور فرق دن بدن واضح ہوتا جارہا ہے۔

(i) بنیاد پرست جہادی اور اسلام کے عالمی سیاسی غلبے کے خواہاں مسلمان۔

(ii) لبرل، روشن خیال اور ماڈریٹ مسلمان۔

بھارت: بھارت کا روایتی ہندو مذہبی طبقہ ـــــ مذہبی روایات کا حامل اور سیاست و حکومت سے دُور اپنے مذہبی رنگ ڈھنگ میں مگن صدیوں سے ایک ہی رنگ میں زندگی گزار رہا ہے۔ مذہبی کتابیں پڑھنا اور اس کے علوم کی نگرانی کرنا اور اس کی روشنی میں ہندو قوم کو رہنمائی دینا اصلاً اسی طبقہ کا کام ہے۔ عملاً چونکہ ہندو مذہبی وراثت پر کم از کم گزشتہ دو ہزار سالوں سے کوئی دھچکا لگانے والا واقعہ نہیں ہوا؛ لہٰذا یہ طبقہ خاموش اور انتظار کرو اور دیکھو (WAIT & SEE) کی پالیسی پر کھڑا ہے۔

آج سے آٹھ صدیاں قبل جب جنوبی ایشیا میں مسلم اقتدار آیا تو اُس وقت ہندو مذہبی طبقہ بیدار نہیں تھا اور ذرائع آمد و رفت کی کمی کی وجہ سے پورے ہند میں تنظیمی لحاظ سے زیادہ منظّم بھی نہیں تھا سیاسی اور جغرافیائی اعتبار سے بھی چونکہ کبھی پہلے بھی یوں منظّم انداز میں ایک اکائی نہیں رہا

تھا؛ لہٰذا ـــــ انہوں نے اسلام کو اپنے لئے کوئی بڑا THREAT تصور نہیں کیا۔ جبکہ ـــــ ہندومت کا دوسرا طبقہ بھی آج سے آٹھ صدیاں قبل اتنا بیدار اور آس پاس کے حالات سے اتنا واقف نہیں تھا جس وجہ سے اس طبقہ نے بھی مسلم اقتدار کو سکندر و دارا یا دیگر باہر سے آنے والوں کی طرح سمجھا اور فوری اہمیت نہیں دی۔ مسلم اقتدار کے طول پکڑنے سے کچھ پریشانی ہوئی تھی تو بعض اقدامات کیے یعنی سولہویں صدی میں بیدار ہوئے اور مغل عہد میں سیاسی طور پر بیدار ہوئے۔

ہندومت کے اس دوسرے طبقہ (جو فعال ہے) کے حالات میں ماضی کے مقابلے میں ایک نئی جہت کا اضافہ ہوا ہے۔ یعنی پہلے ہندومت صرف بھارت میں یا کچھ مشرقِ بعید میں اور وہ بھی اس طرح کہ ہندومت کبھی وہاں نہیں گئی بلکہ وہاں کے لوگ یہاں آتے تھے بس یک طرفہ تعلق تھا۔ آج کے ہندومت کا فعال طبقہ ـــــ دنیا بھر میں پھیل چکا ہے۔ مغربی تہذیب و ترقی کے پھیلاؤ کی وجہ سے اور روزگار کے معاملات کے لئے ہندو جب دیس دیس گیا ہے تو اس کی سوچ اور مذہبی تصورات میں جدّت آئی ہے اور اپنے دیس بھارت میں اور جنوبی ایشیا میں ہی سہی ایک منی سپر پاور بن کر رہنے کی جدوجہد میں عالمی طاقتوں سے گٹھ جوڑ کا اضافہ ہوا ہے۔ روس، امریکہ، چین اور عالم عرب (جہاں 50 لاکھ ہندو بسلسلہ روزگار مقیم ہیں) سے تعلقات بھارت کی خارجہ پالیسی میں اہم کردار رکھتے ہیں۔

آج کے پاکستان کے مسلمانوں کے دونوں طبقات دو صدیوں پہلے کے مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ فعال، پُراُمید، صاحب یقین اور عالمی حالات سے واقف ہیں۔ اگرچہ دونوں طبقات کے احوال میں بنیادی فرق بھی ہے۔

1۔ ہندومت کے برعکس مسلمانوں کا روایتی مذہبی طبقہ فعال بھی ہے اور عالمی اسلامی غلبے کی آرزو رکھنے والا بھی ہے۔ یہ طبقہ کئی محاذوں پر سرگرم ہے اور ایک طبقہ عملی جہاد میں بھی سرگرم ہے۔

2۔ ہندومت کے طبقات کے برعکس مسلمان صرف پاکستان میں نہیں بلکہ دنیا کے 60 ممالک ایسے ہیں جن کے سربراہ مسلمان ہیں اور ان ممالک میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کا ایک فطری عالمی نظریاتی رابطہ ہے۔

3۔ پاکستان کے اندر بھی روایتی مذہبی طبقہ اور فعال عناصر اسلام کے غلبے کی آرزو کے

ساتھ زندگی گزار رہے ہیں اور لاکھوں لوگ ہیں جنہوں نے اسی مقصد کے لئے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے اور سب جان و مال دین کے لئے لٹانے کے آرزومند ہے۔

4۔ مسلمانوں کا لبرل طبقہ نام کا مسلمان ہے تاہم ان میں سے اکثر مغربی صہیونی عالمی طاقتوں کے پیدا کردہ آزاد خیال یا روشن خیال لوگ ہیں اور بنیاد پرست یا FUNDAMENTALIST کہلانے کے روادار نہیں بلکہ مذہب کے ایک غیر مذہبی اور سیکولر ایڈیشن پر یقین رکھتے ہیں۔

5۔ مسلمانانِ پاکستان میں وقت کے ساتھ پہلے طبقے کا پلڑا بھاری ہو رہا ہے جبکہ دوسرا طبقہ کے لوگ مغربی طاقتوں بلکہ امریکی ترقی سے متأثر ہے اور مغرب ہی کی عینک لگا کر سوچتے اور فیصلے کرتے ہیں۔ اس طبقہ کے لوگ گزشتہ ایک صدی سے (پہلے برطانوی اور اب) امریکی حکومتوں سے گٹھ جوڑ رکھتے ہیں اور مراعات لیتے ہیں اور انہوں نے ملک کے اندر اور بیرون ملک میں اپنے اثاثے خوب بڑھا لیے ہیں۔ ان کی اُٹھان اور سیاست اکثر و بیشتر امریکی امداد ہی کے زور پر ہے۔ ان میں سے بعض نے NGO's کے نام سے ادارے بنا رکھے ہیں جو براہِ راست امریکہ سے رقوم وصول کرتے ہیں اور ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔

بھارت کا مستقبل (I)

بھارت میں اس وقت ان کے فعّال اور MILLITANT طبقہ کی حکومت ہے اور یوں سمجھیں کہ ہندومت کے خوابوں کے عین مطابق تاریخ کے دھارے میں پورے بھارت پر خاص ہندومت حکمران ہے۔ وسائل بھی موجود ہیں غیر ملکی جارحیت کا بھی فوری امکان نہیں داخلی طور پر بھی کم از کم مسلمانوں کی طرف سے کوئی احتجاج یا حکومت گرانے کا خطرہ نہیں ہے۔ لہٰذا ـــــ تاریخ کے بہاؤ میں اب یہ ہندومت کے لیے 'محشر کی گھڑی' ہے کہ اپنے دعوؤں اور مذہبی روایات کے مطابق دنیا کو دکھائے کہ وہ برسر اقتدار آ کر اپنے عوام اور ملک کے شہریوں کے لئے کیا کچھ کر سکتی ہے۔ نچلے طبقات کی دلجوئی اور اطمینان، عدل و انصاف، معاشی اونچ نیچ، عورتوں پر مظالم، غیر ہندو شہریوں بالخصوص مسلم اقلیت کے ساتھ بہتر سلوک جیسے کام ہیں کہ اب اس خالص نظریاتی ہندومت کی حکومت کو اپنے دعوؤں کے مطابق سرانجام دینے چاہئیں۔

اگلے دس بیس سال کے حالات بتائیں گے کہ ہندومت کے فلسفے اورویدوں و اپنشدوں کی تعلیمات نے اشرافیہ کے مظالم سے پست اور دبے ہوئے طبقات کو کیسے اور کتنا ریلیف (RELIEF) دیا ہے عدل وانصاف اور روزگار کے کتنے مواقع پیدا کئے ہیں۔عوام کے بنیادی حقوق کا کس حد تک خیال رکھا ہے۔

پاکستان کا مستقبل (I)

پاکستان کا مستقبل بہت کچھ منحصر ہے بیرونی عالمی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں پر اور بھارت کے دل سے پاکستان کو تسلیم کر کے اس کو زندہ رہنے کے لئے حق دینے پر۔اس لیے کہ عالمی صہیونی گٹھ جوڑ نے عالم اسلام اور بالخصوص پاکستان کے خلاف ایک غیر اعلانیہ جنگ چھیڑ رکھی ہے اور یہ جنگ گزشتہ تین صدیوں سے مسلسل جاری ہے یہ صلیبی جنگ ہے۔افسوس کہ بالعموم مسلمان اس صورت کا احساس نہیں کرتے۔توجہ دلائیں تو کہتے ہیں کہ آپ کو ہر واقعہ کے پیچھے امریکہ کی سازش نظر آتی ہے۔جی ہاں حقیقتاً ایسا ہی ہے اور حالت جنگ میں یہی ہوتا ہے اور پاکستان کے ساتھ (اور عالم اسلام کے ساتھ) یہی ہو رہا ہے۔۔۔۔اگر ایسا ہو گیا اور اُمّید ہے کہ ایسا ہو گا تو امریکہ کی افغانستان سے واپسی کے بعد اسلام کے عملی نفاذ کی طرف پیش قدمی ہو گی اور خوش قسمتی ہے اس دور کا آغاز ہونے کے آثار نظر آ رہے ہیں۔

پاکستان کے داخلی استحکام کی طرف یہ پہلا قدم ہو گا اور اگر امریکہ وغیرہ کی پاکستان میں مداخلت کو روکا جا سکے تو وہ دن پاکستان کے عوام کے لئے 14 اگست 1947ء سے زیادہ خوشی کا ہو گا جس دن یہ واقعہ ہو گا اس دن مسلمان کا لبرل طبقہ اپنے مستقبل سے مایوس ہو جائے گا اور بہت جلد اس طبقہ میں سے تین قسم کے لوگ نکلیں گے:

1۔ وہ مخلص مسلمان جو کسی غلط فہمی، خاندانی اثرات اور کسی دباؤ کی وجہ سے ایسا کرنے پر مجبور تھے، جلد ہی توبہ کر کے پہلے طبقے میں شامل ہو جائیں گے۔

2۔ ایسے لبرل مسلمان بھی ہوں گے جن کو اپنا مفاد ملک کے اندر کے بجائے بیرون ملک اور امریکہ، اسٹریلیا اور کینیڈا میں نظر آئے گا وہ وہاں فرار ہو جائیں گے اور بہت سے باقی حضرات ملک کے اندر خانہ جنگی میں ہلاک ہو جائیں گے۔اس لئے کہ اگر اصلاح نہ کی گئی اور

اس میں تاخیری حربے استعمال کئے گئے تو پاکستان میں آنے والے برسوں میں خانہ جنگی کا شدید خطرہ ہے یہ خانہ جنگی ملک کے اندر غریب وامیر کے فرق یا HAVENOT'S اور HAVE'S کے درمیان ہوگی اور اصلاحِ احوال کی سنجیدہ کوششیں نہ ہوئیں تو یہ خانہ جنگی بڑی خونریز اور طویل بھی ہوسکتی ہے۔

بھارت یا ہندومت کا مستقبل (II)

☆ اولاً 1947ء میں آزادی کی بھارتی حکومتوں نے ملک کے عوام کے لئے کچھ نہیں کیا اور موجودہ حکومت بھی بلند بانگ دعوؤں کے باوجود گمانِ غالب ہے کہ کچھ نہیں کر پائے گی اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ پاکستان کی طرح دنیا کی مغربی طاقتیں اس ملک کی ترقی اور خوشحالی کے خلاف ہیں بلکہ بھارت کی آج تک بننے والی تمام حکومتوں کا عوام کی فلاح کے لئے کچھ نہ کرنا اور ملک کو فلاحی ریاست میں تبدیل نہ کرسکنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہندو فلسفہ حیات میں اور ان کی مذہبی تعلیمات میں ایک فلاحی ریاست کا تصور ہی نہیں ہے۔

☆ ثانیاً ـــــ اگر موجودہ حکومت یا آئندہ آنے والی حکومت بدیشی نظریات مستعار لے کر ملک کے اندر نافذ کر کے عوام کی بہتری کے لیے کوشش کرتے ہیں (از قسم روسی نظامِ حیات یا چینی نظامِ حیات) تو یہ فرسودہ نظام ہیں کامیابی کی صورت میں بھی بھارتی عوام کا اپنے مذہب سے یقین اُٹھ جائے گا کہ اس میں عوام کی فلاح و بہبود (WELFARE) کا کوئی گوشہ ہی نہیں ہے اور بھارت کی عوام کو جوڑ کر رکھنے والی شئے یہی ہندومت ہی ہے۔ ہندومت سے یقین اُٹھ جانے کے بعد ملک کو متحد رکھنا ـــــ ناممکن ہوجائے گا اور لوگ دوسرے مذاہب کے بارے میں سوچنا شروع کردیں گے۔

☆ ہمارے نزدیک بھارتی حکومتوں کا اپنے عوام کے لئے کچھ نہ کرسکنا دراصل ہندومت یا جین مت میں ذات پات کی تقسیم ہے جسے قبول کرلیا گیا ہے۔ اس غیر منصفانہ سوچ کے ساتھ کسی معاشرے کی فلاح کا کوئی پروگرام کامیاب نہیں ہوسکتا۔

☆ اوپر درج مختلف صورتوں میں زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ بھارت کی حکومت اپنی ناکامیوں کو چھپانے کے لئے پاکستان سے کسی بڑی جنگ کا خطرہ مول لے لے۔

ایسی صورت میں کہ بھارت پاکستان پر حملہ کر دے امریکہ کے خطہ سے چلے جانے بعد اور پاکستان کے ایٹمی طاقت ہونے کی وجہ سے ـــــ یہ جنگ ایک تباہ کن جنگ ہوگی جس میں دونوں طرف کے وسائل کا ضیاع ہوگا اور بے حساب انسانی جانیں تلف ہوسکتی ہیں، لیکن بھارتی حکومتوں اور ہندو نظریات کا اس کے علاوہ کوئی ممکنہ حل اور ہے ہی نہیں۔ واللہ اعلم۔

پاکستان کا مستقبل (II)

پاکستان جن مقاصد کے لئے حاصل کیا گیا تھا ان کا تذکرہ گزشتہ باب میں آچکا ہے ـــــ اگر پاکستان امریکی دباؤ کی کمی کے بعد ان مقاصد کو حاصل کر کے ملک میں اسلام کا عادلانہ مُنصفانہ نظام قائم کرنے میں کامیاب جاتا ہے تو یہ بات جنوبی ایشیا میں بھی اور عالمی سطح پر بھی بہت بڑی خبر ہوگی اس لئے کہ:

☆ دنیا کے تمام ممالک بالخصوص ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک نے مغربی دنیا کے نظریات کا تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے ان پر عمل کر کے انسانیت کو فلاحی ریاست دینا ممکن نہیں ہے جمہوریت چند سرمایہ داروں کا کھیل ہے۔ مارکس کے نظریات روس میں ہی ناکام ہو چکے۔ اب دنیا کسی قابل عمل اقتصادی عادلانہ منصفانہ نظام کی راہ دیکھ رہی ہے اور پاکستان اسلامی نظریہ کی بنیاد پر ہی بنا تھا اور اسی نظریہ کی بنیاد پر مستحکم ہوگا لہٰذا ـــــ پاکستان میں اسلام کے عادلانہ نظام کا کامیاب تجربہ ملکی استحکام کے ساتھ ساتھ دنیا کے لیے ایک نمونہ ہوگا جو بانیانِ پاکستان کا خواب بھی تھا۔

☆ مسلمانوں کی مذہبی کتابوں میں درج ہے کہ قربِ قیامت میں حضرت محمد ﷺ کا لایا دین غالب ہوگا اور پھر وہ عالمی سطح پر دنیا کا واحد دین بن جائے گا اور دنیا حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی ببانگ دہل گواہی دے رہی ہوگی۔

☆ اسی طرح مسلمانوں کی مذہبی کتابوں میں ہے کہ مشرق وسطیٰ میں بڑی تباہی والی جنگ ہوگی جس کے بعد اسلام کا نظام نافذ ہوگا۔ اسی طرح ایک اسی جنگ کا بھی ذکر ہے جو بھارت (ہند) کے خلاف لڑی جائے گی اور جس میں مسلمان کامیاب ہوں گے۔

☆ مسلمانوں کی مذہبی روایات میں یہ بھی ہے (اور ہندومت کی مذہبی روایات میں بھی ہے) کہ ایسی جنگ کے بعد بھارت کا مخلص مذہبی طبقہ اسلام قبول کر لے گا۔

بھارت کی اونچی مذہبی قیادت کا اسلام قبول کرنا کوئی عام معنیٰ میں پاکستان کی فتح اور بھارت کی ناکامی نہیں ہوگی بلکہ ـــــ یہ ایک نظریہ کی جیت ہے اور مسلمان تو 1400 سال قبل بھی یہی کہتے تھے (دشمن سے جنگ شروع کرنے سے قبل) کہ مسلمان ہو جاؤ ـــــ ایک سطر کی عبارت ہے زبان سے ادا کر دو تم ہمارے بھائی بن جاؤ گے ـــــ بھارت کی ہندومت سے ہمارا آج بھی یہی مطالبہ ہے کہ اتنی بڑی جنگ کر کے جو مسلمان ہونا ہے آج اسلام لے آؤ مسلمان ہو جاؤ اور پورے جنوبی ایشیا میں مسلم اکثریت کی بنیاد پر حکومت بناؤ اور اسلامی عادلانہ نظام کی برکات سے فائدہ اٹھاؤ۔ اس لیے کہ اسلام میں نہ ذات پات کی تقسیم ہے اور نہ نئے اور پرانے مسلمان کا کوئی جھگڑا ہے، تاتاریوں کی مثال سامنے ہے۔ یہ تبدیلی آج آجائے تب بھی اور دس بیس سال بعد آئے تب بھی یہ نظریہ کی جیت ہوگی، اللہ کے دین سے منہ موڑے ہوئے لوگوں کا واپس اسی دین میں آجانا ہوگا یہ کسی کی ہار اور کسی کی جیت نہیں ہوگی۔ آج مسلمان کمزور ہیں، کوئی بات نہیں سنتا ـــــ ان شاء اللہ پاکستان میں اسلام کے نظام کا نفاذ ہونے کی دیر ہے دنیا اس نظام کو دیکھ کر از خود مسلمان ہو جائے گی۔ اس لیے کہ ساری انسانیت پوری دنیا کے ممالک میں (G8 ممالک سمیت) عدل وانصاف، عزت وآبرو، کفالت عامہ، جان ومال کا تحفظ، شرم وحیا، عفت وعصمت وغیرہ کے لیے ترس رہی ہے۔ اگر سامنے کوئی مثال آجائے تو دنیا اس کو آگے بڑھ کر خود، اپنی متاعِ گم گشتہ سمجھ کر قبول کرے گی۔ علامہ اقبال کے فرزند ارجمند ڈاکٹر جاوید اقبال نے 1998ء میں طالبانِ افغانستان کی حکومت کا مطالعاتی دورہ کیا تھا اور وہاں امن ومان، جرائم کی کمی، عام خوشحالی اور عدل وانصاف وغیرہ کی کیفیات دیکھ کر انہوں نے کہا تھا کہ اگر طالبانِ افغانستان کی طرح ایک آدھ اور ملک بھی جمہوری انداز میں اسلام کا ایسا نمونہ دکھا دے تو باقی دنیا از خود مسلمان ہو جائے گی اور اسی میں ساری انسانیت کی بھلائی ہے اور یہی مفہوم ہے اس آیت کا کہ

وَ مَا اَرۡسَلۡنَاكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ (107:21)

ہم نے آپ کو سوائے تمام انسانیت کے لیے رحمت کے نہیں بھیجا۔

اللھم عجل لنا ھذا الساعۃ المبارکۃ۔ آمین

احیائے اسلام کی نیت سے تحصیل علم کی فضیلت

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ:

مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ

وَ هُوَ یَطْلُبُ الْعِلْمَ

لِیُحْیِیَ بِهِ الْاِسْلَامَ

فَبَیْنَهٗ وَ بَیْنَ النَّبِیِّیْنَ

دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ

فِی الْجَنَّةِ

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو اس حالت میں موت آئی کہ وہ علم (اس نیت سے) حاصل کر رہا تھا کہ اس کے ذریعے اسلام کو زندہ کرے تو اس کے اور نبیوں کے درمیان جنت میں صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔''

(دارمی عن الحسن رحمۃ اللہ علیہ مرسلاً)

انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان.....اور.....سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم کے علم وحکمت کی

وسیع پیمانے پر.....اور.....اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر واشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں

تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور شاید اس طرح رسالتِ محمدی ﷺ کی منطقی انتہاء یعنی

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ.....اور.....غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَ مَا النَّصْرُ اِلاَّ مِنْ عِنْدِ اللّٰہ (القرآن)